دینی شعور اور سماجی آگہی کا نقیب علمی تحقیقی مجلّہ

سہ ماہی شعور و آگہی لاہور

جولائی تا ستمبر 2009ء رجب تا رمضان ۱۴۳۰ھ جلد نمبر 1 شمارہ نمبر 1 رجسٹرڈ نمبر 370-S

www.rahimia.org

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

دینی شعور اور سماجی آگہی کا نقیب علمی تحقیقی مجلہ

سہ ماہی شعور وآگہی لاہور

جولائی تا ستمبر 2009ء / رجب تا رمضان ۱۴۳۰ھ | جلد نمبر 1 : شمارہ نمبر 2,1 | رجسٹرڈ نمبر S-370

زیر سرپرستی
حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ

مجلس ادارت

صدرِ مجلس	مدیر اعلیٰ	مدیر
پروفیسر ڈاکٹر سعید الرحمٰن	مفتی عبدالخالق آزاد	محمد عباس شاد

مشاورت

مفتی عبدالمتین نعمانی	بورے والا	پروفیسر ڈاکٹر محمد افضل	سعودی عرب
مفتی عبدالقدیر	چشتیاں	پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالمقیت شاکر	علیمی کراچی
مفتی عبدالغنی قاسمی	لاہور	پروفیسر حسین احمد علوی	چشتیاں
مفتی محمد مختار حسن	نوشہرہ	پروفیسر ڈاکٹر ابرار محی الدین	بہاولپور
ڈاکٹر سید لیاقت علی شاہ معصومی	سکھر	پروفیسر ڈاکٹر تاج افسر	اسلام آباد
مولانا عبداللہ عابد سندھی	شکارپور	پروفیسر محمد سعید اختر	اسلام آباد
مولانا محمد ناصر	جھنگ	پروفیسر ڈاکٹر محمد جہانگیر	لاہور

قیمت فی شمارہ: 100 روپے
سالانہ زرِتعاون: 400 روپے

شعبہ مطبوعات
ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور
رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
Ph:0092-42-36307714 / 36369089 , Web:www.rahimia.org

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع وناشر نے اے۔جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ، لاہور سے چھپوا کر دفتر سہ ماہی مجلہ ''شعور وآگہی''، رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ، لاہور سے شائع کیا۔

www.rahimia.org

فہرست مضامین

حرفِ آغاز: دینی شعور اور سماجی آگہی کا نقیب — صفحہ نمبر (3)
از مدیر اعلیٰ

مطالعہ قرآن: تفسیر سورۃ التغابن (ایک غیر مطبوعہ تفسیر) — صفحہ نمبر (7)
افادات از مولانا عبید اللہ سندھیؒ
مرتبہ: مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ ☆

مطالعہ سیرت نبویؐ: سماجی تشکیل نو کا تصور اور لائحہ عمل
اسوۂ حسنہ کے تناظر میں ایک جائزہ — صفحہ نمبر (32)
از پروفیسر ڈاکٹر سعید الرحمٰن ☆

مطالعہ سیرت صحابیات: اسلام کے عہد اول میں خواتین کا کردار — صفحہ نمبر (50)
از مولانا محمد ناصر ☆

تعارف شخصیات: مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ، حالاتِ زندگی — صفحہ نمبر (94)
از مفتی عبد الخالق آزاد ☆

تعارف مقالہ نگار

☆ مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ
تلمیذ امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ

☆ پروفیسر ڈاکٹر سعید الرحمٰن
سابق چیئرمین شعبہ علومِ اسلامیہ بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

☆ مولانا محمد ناصر
لیکچرار شعبہ علومِ اسلامیہ، گورنمنٹ کالج، جھنگ

☆ مفتی عبد الخالق آزاد
ناظمِ اعلیٰ ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

www.rahimia.org

حرفِ آغاز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دینی شعور اور سماجی آگہی کا نقیب

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور گزشتہ تقریباً دس سال سے دینی شعور کے فروغ اور سماجی تبدیلی کے لئے مثبت سماجی اور عمرانی اقدار کے پھیلاؤ کے لئے کام کر رہا ہے نیز فرسودہ نظام کی تبدیلی کے حوالہ سے عدمِ تشدد پر مبنی حکمت عملی سے آگہی کے لئے پورے صبر و ثبات اور عزمِ مصمم کے ساتھ کوشاں ہے، اور یہ سب کچھ اس کے بانی حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ کی ان کاوشوں اور محنتوں کا نتیجہ ہے، جو انہیں اپنے اسلاف: شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹاؒ، قطب عالم شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ، قطب الارشاد شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور اپنے والد گرامی حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوری قدس اللہ اسرارہم سے ورثہ میں ملا ہے، اولیاء اللہ کی وراثت ان کے علوم و افکار، نظریات و تعلیمات، عزم و ہمت پر مبنی سیرت و کردار، مسلسل جدوجہد اور اخلاقی اقدار ہوتے ہیں، اور ان کے سچے جانشین اور صحیح خلفا وہی لوگ کہلاتے ہیں، جو اپنے اکابر اور سچے رہنمایان کے علوم و اخلاق اور نظریات و افکار پھیلانے کے لئے پوری جدوجہد اور انتہا درجہ کی کوشش کرتے ہیں۔

بلاشبہ پاکستان میں حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے ان اکابر اولیاء اللہ کے دینی تفقہ، قلبی بصیرت و آگہی، اور سماجی و سیاسی شعور کے پھیلاؤ کے لئے انتھک جدوجہد اور کوشش کی ہے۔ پاکستان میں نوجوان نسل میں دین کی جامعیت پر مبنی تاریخی تسلسل کا ادراک و شعور اور علمائے ربانیین کی جدوجہد اور ان کے علم و فکر سے آگہی میں حضرت اقدس رائے پوری مدظلہ العالی کی کاوشوں کا بڑا حصہ ہے، انہی کاوشوں کا ایک بڑا اظہار ''ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور'' کی شکل میں ہمارے سامنے آتا ہے۔

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ اپنی تشکیل اور تعمیر و ترقی کے تقریباً دس سال پورے کر چکا ہے، اور قرآنی علوم و افکار کے پھیلاؤ کے لئے بہت سے شعبوں میں اپنا کردار ادا کر رہا ہے۔ چنانچہ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، قرآنی اصولِ عمرانیات، قرآنی اصولِ سیاسیات، قرآنی اصولِ معاشیات، تاریخ، فلسفہ اور حالاتِ حاضرہ کے دسیوں علوم و معارف

پر نوجوانوں کی دینی اور شعوری تربیت کے میدان میں مسلسل کوشاں ہے۔ اور اس کے لئے ضروری تربیتی نصاب اور تعلیمی نظام قائم کئے ہوئے ہے۔

ادارہ رحیمیہ کے اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لئے اس کی ترقیات کا ایک پہلو یہ تھا کہ ابھی چھ ماہ قبل جنوری 2009ء میں ادارہ کی جانب سے ایک ماہنامہ ''رحیمیہ'' کے نام سے جاری کیا جاچکا ہے، جسے ملک بھر سے باشعور نوجوانوں اور علم و دانش سے تعلق رکھنے والے حضرات کی طرف سے خراج تحسین پیش کیا گیا ہے۔ اب ایک اور قدم بڑھاتے ہوئے ادارہ کی جانب سے اہل علم و دانش اور علماء و فضلا کے لئے ایک سہ ماہی مجلہ ''شعور و آگہی'' کا آغاز کیا جارہا ہے۔ جو اس کے مقاصد و اہداف کے حصول اور ان کی نشر و اشاعت اور فروغ کی جانب ایک اہم پہلو کی حیثیت رکھتا ہے، یہ سہ ماہی مجلہ اس عزم کے ساتھ شروع کیا جارہا ہے کہ اس دور میں ہمارے ملک کے سماجی اداروں کی تشکیل کے لئے دینی جامعیت پر مبنی باشعور اجتماعیت سے آگہی و شعور کی بڑی ضرورت کو پورا کیا جائے، آج ہماری نوجوان نسل کے لئے دینی نقطۂ نگاہ سے سماجی، سیاسی اور معاشی تشکیل کی مثبت اقدار سے پوری آگہی رکھنا وقت کا تقاضہ اور اہم دینی اور قومی ذمہ داری ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا بھر میں معاشروں کی تشکیل میں دو امور بنیادی کردار ادا کرتے ہیں، ایک یہ کہ سوسائٹی کے حل طلب مسائل کے لئے جامعیت پر مبنی ایک مکمل نظریۂ فکر و عمل اس کے پیش نظر ہو، اور جس کے تمام اجزاء باہم اس طرح مربوط ہوں کہ وہ ایک کُل کے لازمی اجزاء اور ایک جامع فلسفہ کے بنیادی عناصر کے طور پر سامنے آئیں۔ جزوی خیالات، نظریاتی الجھاؤ اور فکری انتشار معاشروں کی تباہی کا باعث ہوا کرتا ہے، متضاد افکار و خیالات اور جزوی تصورات مکمل رہنمائی سے محروم کردیتے ہیں، اس لئے معاشروں کی تشکیل میں ایک جامع اور مکمل نظریۂ فکر و عمل اپنے پیش نظر رکھ کر جماؤ اور صبر و استقامت کے ساتھ اس پر قائم رہنا بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ معاشرے کی تشکیل کا دوسرا پہلو اس نظریۂ فکر و عمل پر مسلسل محنت، جدوجہد اور کوشش سے ایک عملی نظام قائم کرنا ہوتا ہے، ایسا نظام جو رومانویت سے ہٹ کر معروضی حقائق کے مشاہدے اور عملی تقاضوں کے تناظر میں ترتیب دیا گیا ہو، اور دنیا میں کوئی عملی نظام سماجی آگہی، سیاسی و اقتصادی شعور اور حالاتِ حاضرہ پر گہری نظر رکھے بغیر وجود میں نہیں آتا، نظریہ اور فکر خواہ کتنا ہی اونچا کیوں نہ ہو، اسے عمل میں لانے کے لئے زمینی حقائق اور عملی تقاضوں کی محدودیت کو پیش نظر رکھنا ہوتا ہے، معاشروں کی ترقی کے لئے قرار واقعی حقائق کو سمجھ کر عقل و شعور پر مبنی تنظیمی حکمت عملی تشکیل دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور پھر اس نظام کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر اپنے اندر صلاحیت و استعداد اور مہارت پیدا کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ کام کی مناسبت سے مہارت پیدا کئے بغیر درست نتائج ظاہر نہیں ہوتے۔

آج مسلمان معاشروں کا یہ المیہ ہے کہ وہ اسلام سے محض سطحیت پر مبنی جذباتی وابستگی اور رسمی عقیدت تو رکھتے ہیں، لیکن سماج کی تشکیل کے دینی نظریہ سے مکمل آگہی اور اس کی بیان کردہ سماجی اقدار، سیاسی تقاضے اور اقتصادی حقائق

کا کما حقہٗ شعور نہیں رکھتے، مغرب کی دوسو سالہ غلامی کے نتیجہ میں مسلمان معاشروں میں رہنے والے لوگ بظاہر مسلمان ہونے کا دعویٰ تو رکھتے ہیں، لیکن سماج کی سیاسی، معاشی اور سماجی تشکیل کے قرآنی نظریہ سے پورے طور پر آگہی نہیں رکھتے۔ سامراجی تسلط کے یہ اثرات ہیں کہ مذہب کے حوالہ سے ان کے سامنے جو سوچ پروان چڑھائی جاتی ہے، وہ فرقہ وارانہ نوعیت کی ہوتی ہے اور اگر کوئی اصلاحی پہلو بھی ہوتا ہے، تو وہ جزوی سوچ اور محدودیت کا شکار ہوتا ہے، اور وہ جامع نظریہ فکر و عمل اور نظام کی تشکیل کے حوالہ سے بلند نظری اور شعور و آگہی اور جامعیت سے محروم ہوتا ہے۔

اس تناظر میں آج ہمارے معاشرے کی بڑی ضروت ہے کہ اغیار کی غلامی اور اس کے قائم کردہ ظالمانہ نظام کے اثرات سے نکلتے ہوئے شریعت، طریقت اور سیاست پر مبنی دین کے جامع نظریہ اور اس کے نظامِ فکر و عمل کا بھرپور تعارف نوجوان کے سامنے رکھا جائے، اور دینی تفقہ اور آزادی و حریت کا شعور رکھنے والی جامع شخصیات اور ان کا بیان کردہ مکمل طریقہ کار ان کے سامنے واضح کیا جائے، اسی طرح سوسائٹی میں موجود غلامانہ ذہنیت پر مبنی نظام اور اس کے انسانی معاشروں پر پڑنے والے منفی اثرات و نتائج سے نوجوانوں کو آگہی دی جائے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی کا انقلابی فکر و فلسفہ اس دور میں دین کی جامع تعلیمات کا لب لباب اور خلاصہ ہے، ولی اللہی جماعت کا فکر و فلسفہ ایک طرف مسلمانوں کے غلبہ کے ہزار سالہ دور کے تحلیل و تجزیہ اور اس کے خلاصہ پر مشتمل ہے۔ تو دوسری طرف وہ دورِ حاضر کے سیاسی، سماجی، معاشی اور فلسفیانہ مسائل کے حل کے لئے رہنما اصول بیان کرتا ہے۔ یوں اس فکر و فلسفہ کی خوبی یہ ہے کہ یہ معاشرتی تشکیل کا جامع نظریہ فکر و عمل اور اس پر عملی نظام کے قیام کی حکمت عملی بھی واضح کرتا ہے۔ نیز جدید سائنسی دریافتوں کے تناظر میں فلسفہ ولی اللہی کے بنیادی امور کو سمجھنا مزید آسان ہوگیا ہے۔ اس فلسفہ کی یہ خصوصیت بھی ہے کہ یہ غلامی اور زوال کے دور میں پیدا ہونے والی ذہنی فرسودگی کو ختم کرتا ہے، مایوسی اور غفلت کے پردے چاک کرتا ہے، ولی اللہی نظامِ فکر و عمل غلامی سے نکل کر آزادی و حریت کا ولولہ، مفلسی اور غربت سے نکل کر اقتصادی خوشحالی کے حصول کی اُمنگ، منفی سوچ سے نجات پا کر سماجی تشکیل کی مثبت اقدار کا شعور اور دینی تعلیمات پر پختہ یقین و اذعان پیدا کرتا ہے۔

اس پس منظر میں اس مجلہ کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ دین کے جامع نظریہ فکر و عمل کا بھرپور شعور اُجاگر کیا جائے، اور سیاسی، سماجی تقاضوں کے تناظر میں اس کے عملی نظام اور تنظیمی حکمت عملی سے آگہی دی جائے۔ ہم پوری کوشش کریں گے کہ اس حوالہ سے علمی اور عملی جستجو رکھنے والی نوجوان نسل کے سامنے ان امور پر شعوری رہنمائی پر مبنی مواد اس مجلہ میں پیش کیا جاتا رہے۔ اسی تناظر میں اس مجلہ کا عنوان ''شعور و آگہی'' تجویز کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے عزم میں کامیاب ہونے کی توفیق ارزانی فرمائے۔

''شعور و آگہی'' کے زیر نظر پہلے شمارہ میں جو مقالات شاملِ اشاعت کئے گئے ہیں، ان میں سب سے پہلے قرآن حکیم کے تفسیری افادات پر مبنی ایک ایسی خوبصورت تحریر ہے، جو قرآنی نظریہ کی بین الاقوامی تشکیل کے حوالہ

سے بنیادی سوالات کا جواب دیتی ہے۔ امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ بلاشبہ اپنے وقت کی ایک عظیم شخصیت ہیں، جنہوں نے انسانی سماج کی تشکیل کے قومی اور بین الاقوامی امور کو سمجھانے اور قرآنی نقطۂ نظر سے ان کے حل کے حوالہ سے بڑی عمدہ رہنمائی کی ہے۔ آپ کی ساری زندگی قرآن حکیم کو سمجھنے، سمجھانے میں گزری ہے، پھر ان کی یہ کاوش ایک محدود دائرہ میں نہیں، بلکہ بین الاقوامی سطح پر ملکوں اور معاشروں کے صحیح تجزیہ کی اساس پر انہوں نے اپنے علوم و افکار کو پیش کیا ہے، یہ تفسیری افادات ان کے اعتماد یافتہ شاگرد مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ نے حضرت سندھیؒ کی زندگی میں ہی نومبر 1943ء میں مرتب کئے تھے، سورۃ التغابن کی تفسیر پر مبنی یہ افادات اب تک غیر مطبوعہ تھے، ہمیں ان کے قلمی ذخیرہ سے دستیاب ہوئے ہیں، پہلی مرتبہ اس شمارہ میں اشاعت پذیر ہو رہے ہیں۔

اس شمارہ کا دوسرا مقالہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ سے رہنمائی لینے کے حوالہ سے ہے، سیرت نبویؐ کی روشنی میں سماجی تشکیل کے بنیادی اور اساسی امور کیا ہیں؟ ان کی نشاندہی جناب ڈاکٹر مفتی سعیدالرحمن نے اپنے مقالہ ''سماجی تشکیلِ نو کا تصور اور لائحہ عمل ، اسوۂ حسنہ کے تناظر میں ایک جائزہ'' میں کی ہے۔ اس مقالہ سے نوجوان نسل کے سامنے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں کام کرنے کا واضح نظریہ اور اس کو عمل میں لانے کی بنیادی تنظیمی اقدار کا شعور اُجاگر ہوتا ہے۔

اس شمارہ کا تیسرا مقالہ ''اسلام کے عہدِ اول میں خواتین کا کردار'' کے حوالہ سے ہے، اس مقالہ میں مولانا ناصر عبدالعزیز نے عہد اول کے علمی ذخیرہ سے استفادہ کرتے ہوئے خواتین کے کردار کو واضح کیا ہے۔ خاص طور پر امہات المؤمنین اور صحابیات کی زندگی کے اہم واقعات کو یکجا جمع کر دیا گیا ہے۔ اور اس حقیقت کی نشاندہی کی ہے کہ صنفی امتیاز کے بغیر ہر مسلمان مرد و عورت پر دینی نظام کے پھیلاؤ اور غلبہ کے لئے جدوجہد کرنا ضروری ہے۔

اس شمارہ کا چوتھا مقالہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے شاگردِ رشید ''حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ کے حالاتِ زندگی'' کے حوالہ سے ہے۔ ہماری کوشش ہوگی کہ ایسے حضرات کے سوانح اور حالاتِ زندگی پیش کئے جاتے رہیں، جنہوں نے انتہائی اخلاص، للّٰہیت اور دلسوزی کے ساتھ دین کے غلبہ کی شعوری جدوجہد اور کوشش میں اپنا تن من دھن قربان کیا ہے، اور بغیر کسی دنیاوی مفاد اور لالچ کے دین کے پھیلاؤ کے لئے جدوجہد کی ہے۔ یہ مقالہ اسی تناظر میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اس طرح اس شمارہ میں دینی تعلیمات کے چار اہم پہلوؤں پر مقالات پیش کئے جا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں صحیح تناظر میں سمجھنے اور ان سے شعور و آگہی حاصل کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔

(مدیر اعلیٰ)

یکم جولائی 2009ء

www.rahimia.org

مطالعہ قرآن

تفسیر سورۃ التغابن

ایک غیر مطبوعہ تفسیر

افادات: مولانا عبید اللہ سندھیؒ مرتب: مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ

''امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے تفسیری افادات ان کے عزیز ترین شاگرد مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ نے مرتب کئے تھے۔ مولانا کے مرتب کردہ تفسیری افادات کتابی صورت میں الگ الگ سورتوں کی شکل میں طبع ہو چکے ہیں۔ اور یکجا بھی ''قرآنی شعورِ انقلاب'' کے عنوان سے شائع ہو چکے ہیں۔ سورۃ التغابن کی تفسیر کا ایک قلمی مسودہ مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ کی امالی سے دستیاب ہوا ہے۔ اس سورت کی یہ تفسیر اب تک کسی مجموعہ میں شامل نہیں ہوئی اور نہ ہی الگ کتابی شکل میں طبع ہوئی ہے۔ اب تک یہ غیر مطبوعہ شکل میں ہے۔ پہلی مرتبہ ہم ''شعور و آگہی'' کے قارئین کے لئے شائع کر رہے ہیں۔ حوالہ جات اور حواشی ہم نے لگا دیئے ہیں۔ آئندہ انشاء اللہ ''قرآنی شعورِ انقلاب'' میں بھی شامل کر کے طبع کر دی جائے گی، اس قلمی مسودہ کی دستیابی کے لئے ہم مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ کے صاحبزادگان جناب بلال احمد و جناب ہلال احمد صاحبان کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ (آزاد)

تمہید سورت

پچھلی سورتوں کے ساتھ ربط

سورۂ جمعہ میں رسول اللہ ﷺ کے دونوں کام واضح کر دیئے گئے ہیں۔ یعنی:

(1) قومی (2) بین الاقوامی

www.rahmia.org

ان میں سے پہلے حصے کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ

اور دوسرے حصے کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے:

وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ

اس قسم کی تعلیم سے پہلے اہلِ کتاب تغافل برت چکے ہیں اور نہایت ذلت کی زندگی بسر کرنے میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ ان کو ذلت سے نکلنے کی دعوت دی گئی ہے کہ وہ موت کی تمنا کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے صحیح پروگرام کی عزت کے لیے مرنا ہی انسان کا شرف ہے۔ جس سے یہ اہلِ کتاب گر چکے ہیں۔

اس سے آگے بتایا گیا ہے کہ وہ کون سے اسباب ہیں جن کے باعث یہ حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب دینی و دنیوی کام جمع ہو جائیں تو دینی کام پر دنیاوی کام کو ترجیح دی جائے۔ اس میں مسلمانوں کو تنبیہ کر دی گئی ہے کہ وہ ایسی حرکت نہ کریں، ورنہ وہ بھی اس عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے جس میں پہلی جماعتیں مبتلا ہو چکی ہیں۔ اس کے باوجود اس جماعت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اس قسم کی غلطیاں کریں گے جو یہود کر چکے ہیں۔ چنانچہ جو لوگ قومی کاموں میں اس قسم کی غلطیاں کریں گے ان کا ذکر سورۂ منافقون میں کیا گیا ہے اور جو لوگ قرآن کے بین الاقوامی پروگرام میں ایسی غلطیاں کریں گے جو یہودیوں کی عادت تھی ان کی بحث سورۂ تغابن میں ہے۔

سورۂ تغابن کا مضمون

اس سورت میں بین الاقوامی معاملات پر بحث کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ تاریخ کا مطالعہ کر کے دیکھو کہ قومیں غلطیاں کر کے کس طرح عذابوں میں مبتلا ہوئیں اور یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ حیاتِ مابعد ممات (مرنے کے بعد کی زندگی) کو یہاں انسانی زندگی میں جس صورت میں سوچا جا سکتا ہے وہ اب بھی ویسے ہیں، جیسے پہلی قوموں کے لیے تھے، اور سورت کے آخر میں ان نتائج سے بچنے کی ترکیبیں بھی بتا دی گئی ہیں جو غلطیوں سے نکال سکتی ہیں۔

تفسیر سورت

آیت نمبر 1: یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۖ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ①

ترجمہ: ''پاکی بول رہا ہے اللہ کی جو کچھ ہے آسمانوں اور جو کچھ ہے زمین میں اسی کا راج ہے اور اسی کو تعریف ہے۔ اور وہی ہر چیز کر سکتا ہے''

آسمان اور زمین میں جو چیزیں ہیں وہ سب کی سب اللہ کو قدوس! قدوس! کہہ کر پکار رہی ہیں۔ بادشاہی اس کی ہے۔ ان میں کوئی نقص نظر نہیں آتا۔ اس کے سب کام حکمت اور نظام میں اتنے پختہ ہیں کہ جتنی نگاہ سے اسے

www.rahimia.org

دیکھے، اسی قدر زیادہ تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے ۔

بہارِ عالمِ حُسنش جہاں را تازہ مے دارد
بہ رنگ اربابِ صورت را کہ بہ بُو اربابِ معنی را

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اس کی قدرت کائنات عظمی کی ہر چیز پر قائم ہے۔ وہ حکمت کے کسی کام کو پورا کرنا چاہے تو یہ ناممکن ہے کہ کوئی نظام اس میں رکاوٹ ڈال سکے۔ پس اس نظام کو حکمت کے ساتھ چلانے کی ذمہ داری اسی کی ذات اقدس کی طرف راجع ہوتی ہے۔ کوئی کارخانہ بذاتِ خود قابلِ تعریف نہیں ہے۔ اس کے قابلِ تعریف ہونے کا سبب یہی ہے کہ وہ خدائے قدوس کا بنایا ہوا ہے۔

آیت نمبر 2: هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ o

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے تم کو بنایا پھر کوئی تم میں منکر ہے اور کوئی تم میں ایمان دار اور اللہ جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے۔''

کائنات میں جوڑوں کا وجود

اس کارخانے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ کوئی چیز ایسی پیدا نہیں کی گئی جس کا جوڑا پیدا نہ کیا گیا ہو یعنی ہر ایک چیز کے بالمقابل اس کا توڑ کرنے والی چیز موجود ہے۔ ایسے نظام کو جس میں تمام چیزیں ایک دوسرے کے متضاد واقع ہوئی ہوں۔ اعلیٰ طریق پر چلانا صرف اس قدرتِ قادر کا کام ہے جو ہر ایک کام کو اپنی جگہ پر رکھنے کا پورا پورا اختیار رکھتا ہے۔ لاریب ہر ایک چیز بذاتِ خود حسن و جمال کی مالک ہے مگر مجموعہ حسنِ نظام کو قائم رکھنا اس قدرتِ حق ہی کا کام ہے۔

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ

کافر کی ضرورت

اگر اس حقیقت کو نظامِ انسانی میں لایا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مومن کے مقابلے میں کافر ضرور موجود ہے۔ اگر مومن کے مقابلے میں کافر نہ ہوتا تو مومن کے ایمان کی خوبی سمجھ ہی میں نہ آتی۔ مثلاً رات کی تاریکی دیکھے بغیر دن کی روشنی کا ادراک ہو ہی نہیں سکتا۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ

مومن کو کافر کا مقابلہ کرنے میں جو مشقتیں پیش آتی ہیں انہی سے اس کی محبت الٰہی کی شدت کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ اس محبت میں جس قدر مصیبتیں برداشت کرتا ہے اللہ انہیں دیکھ رہا ہے۔

www.rahimia.org

جملۂ معترضہ

دن کی خوبی سمجھنے کے لیے رات کا آنا ضروری ہے مگر یہ نہ سمجھا جائے کہ رات کے اندھیرے میں کوئی خوبی نہیں ہے۔حقیقت یہ ہے کہ رات کا اپنا ایک نظام ہے۔اسی طرح نظام انسانی میں مومن کے ساتھ کافر کا موجود ہونا ضروری ہے۔لیکن کافروں کی پیدائش میں جو حکمتیں ہیں ان سے ہمارا واسطہ نہیں ہے۔مثلاً ہم راستہ پر چلتے ہیں اور پتھر سے ٹھوکر لگتی ہے اور ہم پتھر سے بچ کر صاف راستہ تلاش کرتے ہیں۔پتھر کی ٹھوکر نے ہمیں سیدھے راستے کی طرف متوجہ کر دیا۔مگر کیا پتھر میں یہی ایک خوبی تھی؟ لیکن راہ رو کو پتھر کی خوبیوں پر غور کرنے کے لیے کوئی وقت یا موقعہ نہیں ہے۔انبیاء کی تعلیمات کا مقصد فقط انسانیت کی تکمیل ہے۔انسانیت سے باہر چیزوں پر بحث کرنا ان کی تعلیمات سے خارج ہے۔مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دنیا میں اللہ نے انسان کے سوا اور کوئی چیز پیدا ہی نہیں کی۔ اس نے یقیناً اور اشیاء بھی پیدا کی ہیں اور ان میں حکمتیں بھی ہیں۔مگر چونکہ انسانیت کو ان سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہے اس لیے ہم اس سے بحث نہیں کرتے۔

کافر کا انسانیت سے تعلق

جو انسان کافر پیدا ہوا اس کا ایک تعلق انسانیت سے یہ ہے کہ وہ مومن کے راستے میں رکاوٹ ہے جسے مومن کو اپنی عقل اور ہمت سے دور کرنا چاہیے۔(اقبال نے بھی اسرارِ خودی میں کہا ہے

راست می گویم عدوھم یارِ تست رونقِ ہنگامۂ بازارِ تست)

اس سے اس کی قوت ایمانی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔اتنی چیز سے تو شرائع الٰہیہ کو براہِ راست تعلق ہے۔اس کے علاوہ دوسرے درجے پر یہ چیز بھی شریعت کی ذیل میں آتی ہے کہ ایک کامل الایمان مومن ایک کافر کو مومن بنانے میں کتنی کوشش صرف کرتا ہے۔اس لیے کہ وہ انسانیت کا فرد ہے اور اسے خدا کی طرف توجہ دلانا مومن کا طبعی فرض ہے۔پس شریعت میں دو حیثیتوں سے بحث کی جاتی ہے:

مومن کے دو کام

(1) مومن کے لیے رکاوٹ ہے، وہ اسے دور کر کے اپنا راستہ صاف کرتا ہے۔

(2) کافر کی انسانیت مدھم ہے اور مومن اسے روشن بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

ان کے ماسوا کافر کے وجود میں جو حکمت ہوگی اس سے بحث کرنا شرائع الٰہیّہ کے حلقے سے خارج ہے۔مگر اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس کے وجود میں اور کوئی حکمت ہے ہی نہیں۔کفر دنیا میں ضرور رہے گا۔

حکمتِ ولی اللہی میں یہ چیز اصولِ موضوعہ کے درجے پر طے شدہ ہے کہ یہ ساری کائنات علم الٰہی میں معین شکل

میں ہمیشہ موجود ہے۔ اس میں نہ کبھی تغیر ہوسکتا ہے، نہ تبدیلی آسکتی ہے۔ اس علم الٰہی کے مطابق ''وجود'' کے مختلف مراتب (مواطن) میں اس علمِ الٰہی کا عکس ظاہر ہوتا ہے۔ کہیں زیادہ روشن، کہیں مدھم، کہیں اس سے بھی کم۔ کائنات کے متعلق ہمارا یہ عقیدہ بھی مکمل اور مدلل ہے کہ اس میں تقدیر کا مسئلہ خود بخود حل ہو جاتا ہے۔ (1) مثلاً ایک چیز وجود کے مواطن اعلیٰ میں بیج ہو تو نیچے کے درجے میں آ کر درخت بن جاتی ہے۔ نچلے درجے میں انسانی قدرت و اختیار کو بھی دخل ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے شاہ صاحب کے فلسفے کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ اس حکمت کے مطابق تقدیر اور انسانی اختیار دو متناقض چیزیں نہیں ہیں۔ مولانا محمد قاسمؒ بھی اسے اس طرح بیان کرتے ہیں گویا اس جماعت کا یہ مسلّمہ مسئلہ ہے۔ (2)

اس حکمت کے مطابق یہ بھی طے شدہ چیز ہے کہ انسانیت میں کفر رہے گا۔ انسانیت کا تصور کفر کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔ انسانی سوسائٹی کا کمال یہ ہے کہ ایمانی قوت کفر پہ غالب رہے۔ یہ نہیں کہ کفر کو فنا کر دے۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ انسان کے بدن کی خاصیت یہ ہے کہ اس کا سر ہمیشہ اونچا رہے یہ نہیں کہ سارا بدن ہی سر بن جائے اور پاؤں ہوں ہی نہیں۔

آیت نمبر 3: خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ o

ترجمہ: ''بنایا آسمانوں کو اور زمین کو تدبیر سے اور صورت کھینچی تمہاری، پھر اچھی بنائی تمہاری صورت اور اس کی طرف سب کو پھر جانا ہے۔''

تحلیلی اور ترکیبی نقطۂ نظر

اس نے آسمان و زمین کو ایک صحیح پائیدار تدبیر کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ آسمان و زمین میں جو قوتیں کام کرتی ہیں وہ مل کر ایسا کام کرتی ہیں کہ جو شخص ان کو وحدت کی حیثیت میں دیکھے وہ حیران رہ جائے گا۔ اگر تحلیلی (Microscopic) نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو کوئی اچھی ہوگی کوئی بری، مگر مرکب (Macroscopic) میں سے ایک چیز بھی کم کرنا ممکن نہیں ہے۔ وہ ایسی جمیل صورت ہے کہ اس سے بہتر عقل میں آ ہی نہیں سکتی۔

وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ

اس کے بعد انسانیت آتی ہے۔ جس کی کائنات ہی الگ ہے۔ اس پر غور کیا جائے تو انسانیت میں کل کائنات کا چھوٹا سا نمونہ ملے گا۔ سب انسانوں کو ملا کر ایک وحدت پیدا کی جائے تو وہ بجائے خود ایک بے نظیر چیز بن جائے گی۔ افراد کی شکل میں کمی بیشی نکلے تو نکلے مگر مجموعہ افراد کی صورت میں انسانیت کی شکل خوش ترین نظر آئے گی۔

وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ

یہ سب چیزیں جس وجود سے نکلی ہیں، اس میں واپس جائیں گی۔

آیت نمبر 4: يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ o

ترجمہ: ''جانتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو کھول کر کرتے ہو اور اللہ کو معلوم ہے جیوں کی بات۔''

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

انسان کی وحدت

آسمان اور زمین کے مجموعے سے جو چیز پیدا ہوتی ہے اسے خدا خوب جانتا ہے اور آسمان اور زمین کے اجزأ سے بھی بخوبی واقف ہے۔ اسی طرح انسانیت کے مجموعے سے جو وحدت (Unit) پیدا ہوتی ہے۔ اس کے ظاہر اور باطن دونوں سے واقف ہے۔ اور ان میں جو چیزیں ابھی ظاہر نہیں ہوئیں اور ہوں گی ان کو بھی جانتا ہے۔

کوئی چیز علم الٰہی کے بالمقابل (In Opposition to) پیدا نہیں ہوسکتی جو چیزیں اس کے علم میں ہیں وہی پیدا ہوتی ہیں اور جو پیدا ہوتی ہیں وہی اس کے علم میں ہوتی ہیں۔ تنزلات میں بھی وہ اس کے خلاف نہیں ہوسکتیں۔

مَا تُسِرُّوْنَ : انسانیت کے کمالاتِ مخفی

وَمَا تُعْلِنُوْنَ : انسانیت کے کمالاتِ ظاہری

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ : آئندہ ارادۂ الٰہی میں ہونے والی چیزیں جو ابھی صادر نہیں ہوئیں۔

آیت نمبر 5: اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۫ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ o

ترجمہ: ''کیا پہنچی نہیں تم کو خبر (احوال) ان لوگوں کی جو منکر ہو چکے ہیں پہلے، پھر انہوں نے چکھی سزا اپنے کام کی اور ان کو عذاب دردناک ہے۔''

کفر کے متعلق قرآن کا نظریہ

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ انسانیت میں کفر ہمیشہ رہے گا اور یہ بھی مسلّم ہے کہ انسانیت مختلف صنفوں میں بٹے گی اور قومیں بنیں گی۔ اب قرآن حکیم کی تعلیم یہ ہے کہ ایمان کو بین الاقوامی درجے پر کفر پر غالب کیا جائے۔ تمام قوموں کا کفر ایک طرف رکھ دو اور تمام قوموں کا ایمان ایک جگہ کرلو، پھر وہ ایمان مرکز میں متحد ہو کر کفر پر غالب آجائے۔ یہ وہ نظام ہے جس کی قرآن حکیم تلقین کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص کفر کو اپنی حکمت میں سے خارج کردے اور

www.rahimia.org

اس کا وجود ہی تسلیم نہ کرے تو اس کا دماغ قرآن حکیم کی حکمت کو اخذ نہیں کرسکتا۔ جن لوگوں نے یہ تخیل پیدا کیا ہے کہ مہدی آئے گا۔ تو اسلام ہی اسلام ہو جائے گا وہ سراسر نادان ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس دن انسانیت ایک سطح پر آجائے گی اس وقت وہ فنا ہو جائے گی۔ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ''اگر تم جرم کرنا چھوڑ دو گے تو خدا تعالیٰ ایسی مخلوق پیدا کرے گا جو جرم کرے گی''۔(3) جس طرح قیامت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس وقت آئے گی جب انسانیت جرم کے درجے میں ایک سطح پر آجائے گی۔ اس طرح یہ بھی قاعدہ ہے کہ اگر سارے نیک ہو جائیں تو بھی انسانیت ختم کر دی جائے گی۔

بین الاقوامی کفر

قوموں میں کفر کیا ہے؟ یعنی کفر مشترک کیا ہے؟ چھوٹے چھوٹے کفر جو جزئیات سے تعلق رکھتے ہیں قومیں ان پر جمع نہیں ہوسکتیں۔ بلکہ کفر میں بھی ایک مرکزی خیال ہوگا جس پر جملہ اقوام جمع ہوں گی۔

بین الاقوامی کفر کے دو اصول

کفر کی مرکزی چیزیں دو ہیں:

(1) انسان کی موت کے بعد زندگی سے انکار۔

(2) اس بات پر اتفاق کہ انسان کو کوئی انسان خدا کی بات نہیں بتا سکتا۔

رسالت کا انکار کیا ہے؟

یہ آخر الذکر گویا رسالت کا انکار ہے۔ ایک مقدس انسان کے لیے یہ درجہ نہ ماننا کہ یہ مقدس انسان جو کچھ کہہ رہا ہے وہ خدا کا حکم دے رہا ہے۔ یہ رسالت کا انکار ہے۔ اگر یہ درجہ تو مان لیا جائے مگر اسے رسول کا نام نہ دیا جائے تو یہ قومی کفر نہیں ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل سے پہلے کی قومیں لفظِ رسول استعمال نہیں کرتیں اس لیے لوگوں کو دھوکا ہوتا ہے کہ پہلے کوئی رسول ہی نہیں آیا۔

جب یہ چیز مان لی جائے گی کہ یہ شخص سچا ہے۔ یہ کوئی بات اپنی نفسانیت سے نہیں کہتا بلکہ کہتا ہے کہ یہ خدا کی بات ہے تو اس کی زبان سے خدا کا حکم ٹپک رہا ہے۔ جیسے ابر سے پانی۔ اس قسم کی بات کو مان لینا رسالت کو تسلیم کرنا ہے اور اس طرح کی چیز نہ ماننا رسالت کا کفر ہے۔

رسول کا منصب

رسول آتا ہے تو وہ لوگوں کو موت کے بعد اللہ کے سامنے پیش ہونے کے متعلق صحیح معلومات دیتا ہے اور اس پر اس زندگی کو ڈھالنے کا پروگرام دیتا ہے تا کہ انسان اس امتحان میں کامیاب ہو جائے۔

www.rahimia.org

جو کافر پہلے گزرے ہیں، کیا تم نے ان کی تاریخ نہیں پڑھی؟ وہ ہلاک کر دیئے گئے اور دوسری زندگی میں بھی وہ بڑے دردناک عذاب میں پھنسے ہوئے ہیں۔

آیت نمبر 6: ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝

ترجمہ: ''یہ اس لیے کہ لاتے تھے ان کے پاس ان کے رسول نشانیاں پھر کہتے کیا آدمی ہم کو راہ سمجھائیں گے پھر منکر ہوئے اور منہ موڑ لیا اور اللہ نے بے پروائی کی اور اللہ بے پروا ہے سب تعریفوں والا۔''

رسول کیا لاتا ہے؟

بیّنۃ: ایسا صحیح حکم کہ انسان کی عقل بغیر کسی حجت کے مان لے، اسے عربی میں بیّنہ کہتے ہیں یعنی عقل انسانی رسول کی تعلیم ماننے کے لیے مجبور ہو جاتی ہے۔ رسول جو تعلیم پیش کرتے ہیں ایسی ہوتی ہے کہ سلیم الفطرت انسان کی عقل اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔

وہ اس بین الاقوامی کفر میں کیوں مبتلا ہوئے؟ ان کے پاس رسول صاف طور پر -----بینات---- لے کر آئے اور ان کو اچھی طرح سمجھا دیتے تھے اس کے باوجود یہ لوگ کہتے ہیں کہ:

اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا کیا آدمی ہم کو راہ سمجھائیں گے؟

انکارِ رسالت کا سبب

وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم ایک انسان کو اپنے اوپر اتنا بزرگ مان لیں؟ ہمیں براہِ راست حکم کیوں نہیں ملتا؟ حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک انسان کے دل میں اپنے الہام کا ایک منبع رکھا ہوا ہے جو اس کی استعداد کے مطابق اسے سیدھا الہام دیتا ہے۔ یعنی اچھا فکر خود بخود اس کے دل میں آ جاتا ہے۔ مگر ایک جماعت کے کام کے لیے جو پروگرام چاہے وہ ایسا ''حجر بحت'' (4) نہیں لے سکتا اس کے لیے کوئی بہت ہی بڑا دل چاہیے۔ وہ جو کچھ دیتا ہے۔ وہ ایسی چیز ہوتی ہے جسے ہر فرد جماعت قبول کر لیتا ہے۔

فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ

انہوں نے نبی کے لائے ہوئے لائحہ حیات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور الٹے پھرنے لگے اور خدا ان سے بے پروا ہو گیا۔ اس لیے کہ ان کی سمجھ کے مطابق ان کو ہدایت دے دی گئی تھی۔ اب اگر وہ نہیں مانتے تو خدا ان کی ہدایت کے لیے نیا رشتہ قائم نہیں کرے گا۔

وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ

خدا منکروں کی مرضی کے مطابق ہدایت نہیں دیتا

یہ اس کی شان کے منافی نہیں ہے کہ وہ تعلیم دے کر بے پروا ہو جائے۔ جماعت کو ایک استاد دے دیا جو پوری طرح سمجھا دیتا ہے۔ اس کی تعلیم میں کوئی نقص نہیں ہے۔ جماعت دوسرا استاد طلب کرتی ہے۔ کیا اب کوئی دوسرا استاد دیا جاسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ یا وہ جماعت کہتی ہے کہ یہ خود استاد ہیں کیا ان کو کوئی استاد دیا جاسکتا ہے؟ یا وہ کہتی ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو استاد دیا جائے۔ حالانکہ ان میں سے ایک بھی اس کے قابل نہیں ہے۔ تو کیا ان کا یہ مطالبہ مانا جاسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

اب بین الاقوامی کفر کی دوسری مدّ آتی ہے:

آیت نمبر 7: زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ o

ترجمہ: ''دعویٰ کرتے ہیں منکر کہ ہرگز ان کو کوئی نہ اٹھائے گا تو کہہ کیوں نہیں، قسم ہے میرے رب کی، تم کو بے شک اٹھانا ہے پھر تم کو جتلانا ہے جو کچھ تم نے کیا اور یہ اللہ پر آسان ہے۔''

بین الاقوامی شرک کی دوسری شق: انکارِ آخرت

یقین مانو! جس خدا نے یہ نظام بنایا ہے وہ تمہیں ضرور اٹھائے گا۔ جس نے اتنا بڑا نظام قائم کیا ہے۔ کیا وہ اسے یونہی ضائع کر دے گا؟ کیا میوہ پکنے کے بعد باغبان اسے یونہی چھوڑ دیتا ہے؟ خدا نے جو انسانیت کی ترقی کے لیے اتنا سامان جمع کیا ہے۔ اس کے جو نتائج نکلتے ہیں کیا ان سے انسانوں کو محروم کیا جاسکتا ہے؟ انسان میں ایک اعلیٰ قوت ہے وہ فرشتوں کے ساتھ مل کر کام کرسکتا ہے۔ اس نظام نے اس قوت کو برسرِ کار لا کر رکھ دیا ہے۔ بظاہر وہ حیوان ہے اور حیوانیت کے ساتھ ہی وہ فرشتوں کے سارے کام یہیں پورے کر دیتا ہے۔ پس جب فرشتوں کے لیے دوام ہے تو یہ انسان کس طرح مرسکتا ہے؟ جب انسان کو اتنا بکھیڑا کر کے فرشتہ بنا دیا تو کیا اس سے فرشتوں کے کام نہیں لیے جائیں گے؟ اس ایک کامل کے ساتھ اس کے کمالات کے ظہور کے لیے لاکھوں انسان وابستہ ہوں گے۔ وہ تو جماعت کا امام ہے۔ وہ ان کے ساتھ مل کر کام کرے گا پھر کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اکیلا باقی رہے اور باقی مر جائیں؟

ان سے کہہ دو کہ تم ضرور کھڑے کیے جاؤ گے اور تم کو تمہارے عملوں کے نتائج سے آگاہ کیا جائے گا کہ یہ تمہارے فلاں کام کا نتیجہ ہے، اور وہ فلاں کام کا۔ وہ زندگی بے انتہا ہوگی۔

وَذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ

یہ اللہ کے لیے مشکل نہیں ہے۔

www.rahimia.org

آیت نمبر 8: فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝

ترجمہ: ''سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے اتارا اور اللہ کو تمہارے سب کام کی خبر ہے۔''

قرآن کو ماننے کی ضرورت

اس لیے تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ تم قرآن کو مان لو۔ اور قرآن ماننے کے ساتھ ہی قرآن لانے والے رسول ﷺ کو بھی مان لو اور قرآن کے نازل کرنے والے اللہ کو بھی مان لو۔ قرآن حکیم کو مان لینے سے تم اس اجتماعی کفر پر غالب آسکو گے۔

امنو باللہ: اللہ پر ایمان لاؤ

امنو برسولہ: رسول اللہ پر ایمان لے آؤ

نور الذی انزلنا: قرآن حکیم (پر ایمان لاؤ)

قرآن حکیم میں اس کفر اجتماعی پر غلبے کا نظام دیا ہے۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ (سورۃ الصّف: 9)

اس نور کو ماننے کے لیے اللہ اور رسول کو ماننا ضروری ہے۔ اس طریق سے تم انسانیت کی تکمیل کر سکو گے۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ

اس پروگرام کو آگے بڑھانے کے سلسلہ میں جو کچھ کر رہے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے۔ وہ سب کچھ جانتا ہے۔

آیت نمبر 9: یَوْمَ یَجْمَعُكُمْ لِیَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ یَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ وَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَیَعْمَلْ صَالِحًا یُّكَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَیُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝

ترجمہ: ''جس دن تم کو اکٹھا کرے گا جمع ہونے کے دن، وہ دن ہے ہار جیت کا اور جو کوئی یقین لائے اللہ پر اور کرے کام بھلا، اتار دے گا اس پر سے اس کی برائیاں، اور داخل کرے گا اس کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں ندیاں، رہا کریں ان میں ہمیشہ یہی ہے بڑی مراد ملنی۔''

لِیَوْمِ الْجَمْعِ: بین الاقوامی مقابلہ کا دن

قومی درجے میں منافقت

www.rahimia.org

جو شخص اسلام کا غلبہ نیشنل درجے میں کفر پر ثابت نہیں کرنا چاہتا، وہ منافق ہے، یعنی جو شخص اسلام لاتا ہے لیکن اپنے قومی کفر پر اُسے غالب نہیں کرتا اور غالب کرنے والوں کے ساتھ شریک نہیں ہوتا یعنی وہ بات کو صحیح مانتا ہے، مگر اسے اپنی قوم کے کافر حصے پر غالب کرنے میں مالی اور جانی مدد نہیں کرتا وہ منافق ہے۔ (اس نفاق کا ذکر سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقوں میں آچکا ہے۔)

بین الاقوامی درجے میں منافقت

اس کے بعد کفر کا دوسرا درجہ بین الاقوامی درجہ ہے۔ قرآن کی تعلیم اصل میں اسی درجے کی ہے۔ قومی درجہ مبادی کا درجہ ہے۔ وہ اس بین الاقوامی درجے کی تکمیل کے لیے ہے۔ جو شخص قرآن کی تعلیم کو صحیح مانتا ہے اور اس کی حکمت کو بھی جانتا ہے۔ مگر اسے بین الاقوامی درجے میں کفر پر غالب کرنے کے لیے جان و مال کی قربانی سے گریز کرتا ہے۔ وہ بھی منافق ہے۔ اس سورت ''التغابن'' میں اس سے خطاب ہے۔

وہ دن جب ساری قوموں کے جمع ہونے والے دن کے لیے ان کے ساتھ جمع کیا جائے گا کہ بین الاقوامی کفر پر غالب ہونے کی کون کوشش کرتا رہا۔

حضرت موسیٰ ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد ﷺ کی جماعتیں انٹرنیشنل درجے پر کام کرتی رہیں۔ اب تینوں قوموں کا مقابلہ ہوگا کہ کس نے اجتماع پر غالب آنے میں مقابلتہً زیادہ کام کیا۔ پس قرآن کی تعلیم پر اس طرح ایمان لانا چاہیے کہ سب کے مقابلے میں درجہ اوّل حاصل کرے۔ یہاں سستی کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے اور منافقت کی کھپت ہی نہیں ہوسکتی۔ یا صاف طور پر مانو یا صاف انکار کرو کہ ہم کام نہیں کریں گے۔

ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ (وہ دن ہے ہار جیت کا)

یوم تغابن

جب تم انٹرنیشنل مقابلے میں آگے بڑھے تو سمجھو کہ جیتے۔ اگر وہاں ہارے تو سمجھو کہ دو کوڑی کے بھی نہیں۔ قرآن کا نظام یہ ہے کہ ساری قوموں کے مقابلے میں جیت جاؤ۔

مسلمانانِ ہند بین الاقوامی مقابلہ کر سکتے ہیں

بدقسمتی سے ہمارے پھسڈی امام بن گئے ہیں، جو نہ آگے بڑھنا جانتے ہیں نہ الگ ہوتے ہیں۔ جو لوگ گاندھی جی کا مقابلہ کرنا نہیں جانتے وہ برٹش گورنمنٹ سے کیا مقابلہ کریں گے؟ ان میں عقل کا ذرہ تک نہیں ہے۔

ایک لادینی لوگ ہیں کہ ان کے پروگرام کی صرف دو سطریں ہیں۔ مگر وہ بین الاقوامی مقابلے کی ہمت کرتے ہیں۔ تو کیا مسلمان اپنے عظیم الشان بین الاقوامی پروگرام کو نہیں چلا سکتے؟ اگر نہیں تو وہ مسلمان کیوں بنے بیٹھے ہیں؟

www.rahnuma.org

مسلمان کا اصلی مشن بین الاقوامی مقابلہ ہی ہے۔ مسلمان نوجوان یہ کام کر سکتے ہیں۔ مگر افسوس کہ ان کو ان کی صحیح قوت کا علم نہیں ہونے دیا جاتا۔

قرآن کی تعلیم کو بین الاقوامی غلبہ دینے کے لیے:

(1) پہلے پروگرام سوچنا چاہیے۔ جو (دین کے غلبہ کا پروگرام) نہیں سوچتا وہ کافر ہے۔

(2) سوچنے کے بعد جو جان و مال صرف نہیں کرتا۔ وہ منافق ہے۔

اس وقت ہمارے لیے تعلیمِ قرآن کافی ہے۔ ہمیں اب کسی اور نبی کی ضرورت نہیں۔ ہمارے لیے رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ کافی ہے۔

دنیا میں اس وقت لادینی اعتدال پسند اور لادینی انتہا پسند اپنے اپنے پروگراموں کو بین الاقوامی غلبہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ کامیاب بھی ہوتے ہیں۔ مگر ہر ایک کو قربانی دینی پڑتی ہے مثلاً اعتدال پسند ''امپیریلسٹ'' طاقتوں نے ہندوستان کا بحری راستہ بنایا اور اس راستے کے بنانے میں خدا جانے انہیں کتنی جانیں قربان کرنی پڑیں۔ مسلمان اعتدال پسند بھی چاہیں تو جان قربان کر کے کچھ کر سکتے ہیں مگر چونکہ وہ منافق ہیں اس لیے وہ یہ بھی نہیں کرتے۔

جو شخص قرآن حکیم کے پروگرام کو مان کر اس پر پوری طرح عمل کرے گا اسے جنت میں جگہ ملے گی۔ یہ اس کے اعمال صالحہ کا نتیجہ ہوگا۔

آیت نمبر 10: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

ترجمہ: ''اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلائیں انہوں نے ہماری آیتیں، وہ لوگ ہیں دوزخ والے، رہا کریں اسی میں اور بری جگہ جا پہنچے۔''

بین الاقوامی کام سے انکار کا نتیجہ

جو لوگ اس بین الاقوامی پروگرام پر عمل کرنے سے انکار کر دیں گے وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

کام کے لیے عملی ہدایات

دوسرے رکوع میں اس فکر (Idea) پر کام کرنے کے متعلق عملی ہدایات دی جائیں گی لیکن اس سے پہلے کہ وہ ہدایات دی جائیں چند ابتدائی باتیں بتا دینا ضروری ہے۔

آیت نمبر 11: مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

www.rahimia.org

ترجمہ: ''نہیں پہنچتی کوئی تکلیف بغیر حکم اللہ کے، اور جو کوئی یقین لائے اللہ پر، وہ راہ بتلائے اس کے دل کو، اور اللہ کو ہر چیز معلوم ہے۔''

دو نہایت ضروری باتیں

(1) بین الاقوامی کام میں مصائب کا سامنا ہوگا

پہلی بات تو یہ ہے کہ جو شخص اس پروگرام پر اپنی ذمہ داری پر کام شروع کرے گا اس کی کوئی گھڑی مصیبت سے خالی نہ ہوگی۔ بیوی کچھ کہے گی، بچے کچھ مطالبہ کریں گے۔ ماں باپ کچھ اور ہی کہیں گے اور برادری کچھ اور۔ ان حالات میں اس کا ایمان اتنا قوی ہونا چاہیے کہ وہ ان مصیبتوں کو برداشت کرے اور اپنے عقلی فیصلے پر قائم رہے۔ اس کے لیے پہلی ہدایت یہ دی گئی ہے کہ ہر مصیبت جو انسان کو پہنچتی ہے اللہ کے براہ راست فیصلے سے پہنچتی ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ اس پروگرام پر عمل کرنے والے کی تائید ہونی چاہیے کیونکہ یہ اللہ کا انسانیت کے لیے فیصلہ کن پروگرام ہے اور ملاء اعلیٰ کا فیصلہ ہے اور زمین و آسمان کی تمام طاقتیں اس کی مدد پر ہیں۔ پھر مصیبت کیوں آئے گی؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض دوسری مصلحتیں اس کے متعارض پیدا ہو جاتی ہیں جن سے اسے ضرور تکلیف پہنچے گی لیکن جب تک خدا تعالیٰ کا فیصلہ اس دوسری مصلحت کو ترجیح نہ دے گا اس وقت تک اسے تکلیف نہ پہنچ سکے گی۔ شاہ ولی اللہ کی حکمت میں اسے تدبیر کہا جاتا ہے۔ اس سے مراد اسباب متعارضہ میں سے کسی ایک سبب کو حکمت کے مطابق ترجیح دینا ہے۔ جب تک اللہ ترجیح نہ دے کوئی کام ہو ہی نہیں سکتا۔ پس اس پروگرام پر عمل کرنے والے کو جو مصیبت پہنچے گی وہ اللہ کی اجازت اور اس کے فیصلے سے پہنچے گی۔ اس وقت کیا کرنا چاہیے؟

وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ جو کوئی یقین لائے اللہ پر، وہ راہ بتلائے اس کے دل کو۔

مصیبت کے وقت وہ شخص اپنی دماغی قوت پورے اطمینان کے ساتھ اس فیصلے کی حکمت پر متوجہ کر دے تو اس مصیبت کی علت اور حکمت بھی اسے سمجھ میں آ جائے گی۔ اور وہ خود پکار اٹھے گا کہ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو ان حالات میں میں بھی یہی کرتا۔ اس سے اس کے دماغ پر سے بوجھ اتر جائے گا۔

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ اور اللہ کو ہر چیز معلوم ہے۔

وہ خدا جو اس کائنات عظمیٰ کو چلا رہا ہے تمام اسباب عاملہ سے بخوبی واقف ہے اس لیے اس کے فیصلے پر مطمئن ہو کر کام کرتے رہنا چاہیے اور مصیبت کے وقت جزع فزع (چیخ و پکار) نہ کرنی چاہیے اور نہ کام سے گریز کرنا چاہیے۔

آیت نمبر 12: وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا

الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿١٢﴾

ترجمہ: ''اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا، پھر اگر تم منہ موڑو تو ہمارے رسول کا تو یہی کام ہے پہنچا دینا کھول کر۔''

(2) مصائب کے وقت کیا کیا جائے؟

بین الاقوامی کام میں ایک تو انسان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اسے ہر قسم کی مصائب کا سامنا کرنا ہوگا۔ اس کے لیے وہ اَطِيْعُوا اللّٰهَ پر عمل کرے۔ یعنی اپنے عقلی یقین میں کبھی پریشانی پیدا نہ ہونے دے۔ ہر وقت اطاعتِ الٰہی میں مصروف رہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسے یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اسے جن فیصلوں کے ماننے کے لیے کہا جائے گا وہ ہمیشہ خود اس کے گھر کی ضرورتوں کو پیش نظر رکھ کر نہیں دیئے جائیں گے۔ اس وقت بھی اسے ان اجتماعی فیصلوں کی پابندی کرنی ضروری ہوگی۔

اَطِيْعُوا اللّٰهَ

(الف) اطاعت الٰہی کیا ہے؟

اصل اساسی قانون کی اطاعت کرو۔ یعنی اپنا نظریہ بین الاقوامی قانون کی اطاعت بناؤ۔ اپنی نظر صرف اپنی ذات یا اپنے گھر تک محدود نہ رکھو بلکہ اپنی ذات اور اپنے گھر سے باہر بھی نگاہ ڈالو۔ باہر بھی لوگ بستے ہیں ان سب کی ضروریات کے پیش نظر جو بین الاقوامی قانون خدا نے دیا ہے اس کی اطاعت کرنا اپنا لائحہ حیات بناؤ۔

اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ

(ب) اجتماعی فیصلوں میں رسولؐ کی اطاعت کرو

ایک گھر کا نظام اس گھر کے بزرگ کی مرضی پر چل سکتا ہے۔ اس میں نسبتاً زیادہ تکلیف نہیں ہوتی۔ کیونکہ افراد خاندان اپنی مرضی سے تنگی برداشت کرتے ہیں۔ اس قسم کی تنگی جو انسان اپنے فیصلے سے قبول کرے زیادہ محسوس نہیں ہوا کرتی۔ مگر یہ تحریک زیادہ دیر تک ایک گھر میں محدود نہیں رہ سکتی۔ فرض کرو کہ اس کا ہمسایہ ہے اس کے گھر میں بھی یہ تحریک چل رہی ہے اور کچھ عرصے کے بعد چاروں طرف کے گھروں میں یہ تحریک اپنا قدم جما لیتی ہے۔ اب اس تحریک کا رہنما جو جو حکم دے گا وہ ان سب گھرانوں کی مصلحت کے پیش نظر دے گا۔ تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے اس فیصلے کا ماننا ضروری ہے۔ یہ اجتماعی حکم جو رسول دیتا ہے اس کی اطاعت اجتماعی درجے میں سب گھرانوں پر لازم ہے۔ یہ چھوٹے پیمانے پر ''بین الاقوامی'' کام بن جاتا ہے۔ اپنے گھر میں اس اساسی قانون کے مطابق تم خود فیصلہ کرتے تھے یہ پہلا درجہ تھا۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ اجتماعی درجے پر رسول کا حکم مانو، وہ سوسائٹی کی عام ضرورت کے مطابق حکم دے گا۔ (رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد محلے کی پنچایت کو رسول اللہؐ کی جگہ رکھ لو) پنچایت جو

فیصلہ کرتی ہے وہ بعض اوقات شخصی فیصلے کے خلاف ہوتا ہے لیکن تحریک کی کامیابی کا تقاضا ہوتا ہے کہ اسے مانا جائے۔

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ

اگر تم اس اصول کو نہیں مانتے۔یعنی :

(1) بین الاقوامی کام میں مصائب کا سامنا ہوگا، اس وقت اپنے عقلی فیصلے کی خلاف ورزی نہ کرو۔

(2) رسول کے فیصلے کو اپنے شخصی فیصلے پر ترجیح دو اور اپنا مطمحِ نظر بین الاقوامی رکھو۔

اگر تم اسے نہیں مانتے تو نہ مانو۔رسول کا کام صرف یہ ہے کہ وہ یہ باتیں نہایت وضاحت کے ساتھ سمجھا دے۔اب اطاعت کرنا تمہارا فرض ہے۔اس کے بعد تمہیں جھگڑنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہوگا۔

آیت نمبر 13: اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۳﴾

ترجمہ:''اللہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں اور اللہ پر چاہیے بھروسہ کریں ایمان والے۔''

خدا پر بھروسہ رکھو

ابتدائی اور اجتماعی قانون کے نفاذ کے وقت یعنی گھر میں کام کرنے میں اور بین الاقوامی کام کرنے میں مصائب کا سامنا ہو تو یقین رکھو کہ میرا خدا میرے ساتھ ہے۔گھر کی مصیبتوں اور مشکلوں کی فریاد اللہ سے کرو اور اجتماعی حکم سے جو تکلیف پیش آئے اس کی فریاد بھی اللہ ہی سے کرو۔رسول کے حکم کی صرف اطاعت کرنی ہوگی۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ

اس پر عمل کرنے والے خدا پر بھروسہ کرتے ہیں۔وہ ان کی دقّتوں (مشکلات) کو دفع کرسکتا ہے۔

آیت نمبر 14: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾

ترجمہ:''اے ایمان والو تمہاری بعض بیویاں اور اولاد تمہارے دشمن ہیں سو ان سے بچتے رہو اور اگر معاف کرو اور درگذرو اور بخشو تو اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔''

عملی ہدایت کا کام ہمیشہ گھر سے شروع کرو

اجتماعی مقابلہ نہایت عظیم الشان کام ہے۔اگر اس کی بنیاد مستحکم نہ ہو تو وہ دیرپا نتائج پیدا نہیں کرسکتا اور نہ اس قسم کا بین الاقوامی پروگرام کامیاب ہوسکتا ہے۔پس اس فکر پہ سب سے پہلے اپنے گھر میں عمل شروع کرنا ضروری ہے۔

کیوں؟

www.rahimia.org

ہر شخص کو خدا نے اپنے گھر کا بادشاہ بنایا ہے۔ (5) وہ اس محدود حکومت میں اپنے بلند نظریے کو کامیاب کرے۔تمام افراد اس طرح اپنے اپنے گھر میں کام پر لگ جائیں۔تو یہ پروگرام بہت جلد کامیاب ہوسکتا ہے۔ یہ ہر مومن کا فرض ہے۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس بلند فکر (Idea) کو جو یوم الجمع کی چیز ہے سب سے پہلے گھر میں نافذ کرنا چاہیے۔ چنانچہ فرمایا کہ: ''اے مسلمانو ! یاد رکھو کہ تمہاری عورتوں اور بچوں میں سے ایک حصہ ایسا ہے جو تمہارا دشمن ہے۔یعنی تمہاری تحریک کا مخالف ہے۔اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بیوی بچے انسان کے طبعی دشمن ہیں۔ یہ غلط ہے۔مطلب یہ ہے کہ وہ اس تحریک اور اس فکر کے قائل نہیں ہیں۔ جب گھر کے آدمی فکر کے مخالف ہوں تو تحریک کو کامیاب بنانا سخت مشکل ہے۔

اس پروگرام کو تدبیر منزل کے درجے میں منظم کرنا قرآن عظیم کے اہم مقاصد میں سے ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں اس تحریک کو چلا کر سارے گھروں کو منور کر دیا اور اس کامیابی کی بنیاد پر قیصر و کسریٰ سے مقابلہ کر کے کامیابی حاصل کی۔ اس کامیابی کی بنا پر یہودیوں کو مدینے سے خارج کیا گیا۔ اس شہر میں کوئی گھر ایسا نہیں ہونا چاہیے جس میں یہ پروگرام منظم نہ ہو چکا ہو۔

رسول اکرم ﷺ کی ساری تعلیم اور صحبت کی برکت مدینۃ النبی میں مستقر ہوگئی۔ جب تک یہ شہر اسلامیت کا مرکز رہا، مسلمانوں کے اندر دین میں فکری اختلاف پیدا ہی نہیں ہوا۔ چنانچہ خلافت راشدہ کے دور میں تو یہ مقدس شہر دینی اور سیاسی دونوں قسم کا مرکز رہا۔ مگر بنی امیہ کے دورِ خلافت میں بھی یہ کم سے کم دینی مرکز ضرور رہا۔ ان دونوں زمانوں میں مختلف مذاہب پیدا نہیں ہوئے۔لیکن جب مدینے کی مرکزیت بغداد میں منتقل ہوگئی تو مختلف مذاہب پیدا ہو گئے۔

شہروں کی موجودہ حالت

ہماری رائے میں اب شہر برطانوی تحریک کے مرکز بن چکے ہیں۔ پس برطانیہ کی ڈکٹیٹر شپ کے ماتحت ہندوستانی تحریک شہروں سے شروع کرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ شہروں کی عام آبادی پر برطانوی فکر غالب آ چکا ہے اور تجارت، تعلیم اور انصاف اس گروہ کے ہاتھوں میں ہے۔ چنانچہ گاندھی جی نے بھی اپنے کام کے لیے پہلے تو احمد آباد کے باہر ایک گاؤں میں مرکز بنایا اور اب بھی ''واردھا'' میں آشرم بنا کر بیٹھے ہیں، جو ایک گاؤں ہے۔ہم مولانا محمد قاسم کے فکر کی داد دیتے ہیں کہ انہوں نے ایک گاؤں (دیوبند) ہی کو اپنا مرکز بنایا۔آج کل دیہات فی الجملہ (کسی درجہ میں) اس اثر سے پاک ہیں۔ مولانا محمد قاسم کے زمانے میں قصبات بھی اس اثر سے محفوظ تھے۔ پس تیاری کے مرکز دیہات میں ہونے چاہئیں البتہ اگر گورنمنٹ کے ساتھ مل کر کام کرنا ہو تو شہروں میں کام کرنا چاہیے۔

www.rahimia.org

گھر والوں سے لڑو نہیں

فَاحْذَرُوْهُمْ (ان سے بچو)

ان کی دشمنی کو اپنی تحریک پر کامیاب نہ ہونے دو۔ یہ نہیں کہ ان سے لڑائی ٹھان لو۔

ان کو ساتھ ملاؤ

وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا (انہیں معاف کرو، اور درگزر کرو)

وہ تحریک کی مخالفت کریں تو معاف کردو گویا سنا ہی نہیں کیونکہ اس نرمی کے برتاؤ سے تحریک ان کی سمجھ میں آ گئی تو وہ تمہارے دوست اور دست و بازو بن جائیں گے۔ اگر وہ دوست بن جائیں تو پہلی مخالفت کو بھول جاؤ اور اس پہلی مخالفت کی سزا مت دو۔

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (پس بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے)

اس سلسلے میں خدا کی شان دیکھو کہ جو لوگ اس تحریک کی مخالفت کرنے کے بعد اس تحریک کے دوست بن جاتے ہیں وہ ان کی پہلی مخالفت کو بخش دیتا ہے اور اب وہ اس تحریک کے سلسلے میں جو کام کرتے ہیں اس کا معاوضہ نہایت فراخدلی کے ساتھ دیتا ہے۔

آیت نمبر 15: اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ o

ترجمہ: ''تمہارے مال اور تمہاری اولاد یہی ہیں جانچنے کو، اور اللہ جو ہے اس کے پاس ہے ثواب بڑا۔''

اولاد و اموال کیوں دیئے گئے ہیں؟

یہ مال و دولت اور اولاد تمہیں آزمائش کے لیے دیئے گئے ہیں یعنی یہ دیکھنے کے لیے کہ جب تم اس تحریک کو صحیح مانتے ہو اسے اپنے مال و دولت اور اولاد میں جاری کرتے ہو یا نہیں۔ جو شخص اس تحریک کو اپنے ماتحت اشخاص اور اشیاء میں جاری نہیں کرسکتا اس سے اور کیا توقع کی جاسکتی ہے؟

اجر عظیم کیوں؟

وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (اور اللہ کے پاس بڑا اجر ہے)

تم ان کو سمجھانے کی جو کوشش کرو گے اس کا تمہیں بہت بڑا اجر ملے گا۔ اس لیے کہ ان کے دوست ہو جانے کے بعد تمہارا گھر تمہارے ہمسایوں کے لیے نمونہ بن جائے گا۔ اور جہاں جہاں تک اس نمونے کا اثر پہنچے گا اس پر تمہارا اجر متحقق ہوتا جائے گا۔

آیت نمبر 16: فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ٥

ترجمہ: ''سو ڈرو اللہ سے جہاں تک ہو سکے اور سنو اور مانو اور خرچ کرو اپنے بھلے کو اور جس کو بچا دیا اپنے جی کے لالچ سے سو وہ لوگ وہی مراد کو پہنچے۔''

تقویٰ کیا ہے؟

اللہ کے قانونِ انصاف کی پابندی کرو یعنی اس انقلابی پروگرام کی پابندی کرو جو قرآنِ حکیم پیش کرتا ہے۔ دنیا کی تمام اقوام کے لیے قرآنِ حکیم کا قانون ہی قانونِ انصاف ہے اور یہی انقلابی پروگرام ہے جس کی پابندی کرنے کا نام تقویٰ ہے۔ اس پروگرام کے کسی خاص حصے پر زور دینا مقصود ہو تو اسے بھی تقویٰ کہا جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کو توجہ دلانا مقصود ہے کہ وہ اپنا کام کرے۔ تو اسے کہا جائے گا کہ وہ ایسا سمجھے گویا خدا اسے دیکھ رہا ہے۔ یا وہ خدا کو دیکھ رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کام کا جو نتیجہ اللہ کے ہاں مقرر ہے اسے کام کرتے ہوئے اپنے اوپر عائد کر لے۔ ایک شخص ایک کام کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسے راحت ملے تو وہ اپنے اوپر راحت طاری کر لے۔ اس سے عزم میں زیادہ ہمت پیدا ہوتی ہے اور انسان تیزی سے کام کر سکتا ہے اگر برا کام کیا ہے تو پوری طرح سمجھ لے کہ اس کی سزا مجھے بھگتنی پڑے گی اس وقت تقویٰ کا ترجمہ ہوتا ہے کہ اللہ سے ڈرو یعنی اپنے اعمال کے نتائج سے ڈرو جو خدا نے ان کے لیے مقرر کئے ہیں۔ یہ پورے تقویٰ کا ایک حصہ ہے۔

تقویٰ کا پورا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کے انقلابی پروگرام پر عمل کرو۔

وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا (اور حکم سنتے رہو اور اس کی اطاعت کرتے رہو)

تمہیں آگے بڑھانے کے لیے جو پروگرام دیا جائے اس کی تعمیل کرتے رہو یہ رسول اللہ ﷺ کا کام تھا کہ یہ طے کرتے کہ اس گھر کو کس درجے کا کام دینا ہے۔ جب وہ ایک منزل طے کر لیتا ہے اسے دوسرا کام دے دیا جاتا ہے۔

قومی رہبر کی شان

ایک امیر اپنی رعیت کو اسی طرح احکام دیتا ہے جیسے ایک استاد اپنے شاگردوں کو پڑھاتا ہے۔ کل کا سبق یاد کر لیا تو نیا سبق دے دیا جائے گا اگر یاد نہیں کیا تو اسے کہہ دیا جائے گا کہ ابھی اسے یاد کرو۔ امارت (سربراہی) کی حقیقی شان یہ ہے کہ امیر بطور معلم کام کرے۔ اس قسم کی حکومت نیشنل حکومت ہی ہو سکتی ہے۔ جب اپنی قوم کا امیر ہوگا تو وہ اپنے خاندانوں کو تعلیم دیتا جائے گا۔ جہاں دوسری قوم کا امیر ہوا وہ اس قوم کے افراد کو اپنے لیے استعمال کرنا شروع کر دے گا۔ یہ قدرتی قاعدہ ہے اس لیے ہر ایک شخص کے لیے اپنی قومی حکومت پیدا کرنا نہایت ضروری ہے۔ جو تعلیم اس سے ہٹانے کے لیے دی جاتی ہے اسے ختم کرو۔

www.rahimia.org

جملہ معترضہ

کابل میں ہمارے ساتھ چند نوجوان تھے۔ وہ لاہور کے کالجوں سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ ہماری ان سے چوبیس گھنٹے کی صحبت رہتی تھی۔ جب ہم ان (نوجوانوں) سے اپنے کسی اچھے فکر کا ذکر کرتے جو انہیں پسند آتا تو ہم کہتے کہ یہ ہمارے استاد کا فکر ہے اور ہم اپنے استاد کا نام نہایت محبت سے لیتے۔ جب انہوں نے چند بار یہ چیزیں محسوس کی تو ایک نوجوان نے کہا کہ آپ ہر وقت اپنے استاد کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ہم تو اپنے استادوں کا کبھی ذکر نہیں کرتے، حالانکہ ہم نے بھی کالجوں میں استادوں سے پڑھا ہے اور اب آپ بھی اس علم کے محتاج ہیں۔ اور ہم آپ کو پڑھاتے ہیں۔ آپ کا یہ فعل ہمارے دماغوں پر ایک بوجھ ہے۔ (اور واقعہ یہ ہے کہ جیسے ہم ان کو سکھاتے تھے ان سے سیکھتے بھی تھے) ہم نے کہا کہ اس میں فرق صرف یہ ہے کہ ہمارا استاد ہمارا تھا مگر تمہارے استاد تمہارے اپنے نہیں تھے وہ یہاں یوروپین طریق لاکر اسے کامیاب بنانا چاہتے تھے۔

مولانا شیخ الہندؒ کا طریق تعلیم

ہمارا استاد ہمیں پڑھاتا تھا ہم اس سے باپ کی طرح محبت کرتے اور محسوس کرتے تھے۔ جب ہم نے اس کے ماتحت سیاسی کام شروع کیا تو وہ اس وقت بھی اس طرح حکم دیا کرتا تھا۔ جیسے بچوں کو دیا جاتا ہے۔ مگر ہمیں مسرت وہی ہوتی تھی جو باپ کے حکم سے ہوتی ہے۔ ہم کبھی محسوس ہی نہ کرتے تھے کہ ہمیں حکم دیا جا رہا ہے۔ ہم ہمیشہ یہی سمجھتے تھے کہ ہم سے مشورہ کیا جا رہا ہے ہمیں ہمارے استاد نے کبھی کوئی حکم، حکم کی شکل میں نہیں دیا۔ ہم نے انکار کر دیا تو معاملہ وہیں ختم ہو جاتا تھا۔

ایک مثال: سفر کابل کا ذکر

ہمارے استاد نے ہمیں ایک مرتبہ کہا کہ اگر ایک آدمی کابل جاتا تو اچھا تھا۔ تمہاری کیا رائے ہے؟ میں چونکہ کابل جانے کا مخالف تھا اس لیے میں نے عذر کر دیا۔ وہ خاموش ہو گئے۔ پھر کافی زمانہ گزرنے کے بعد (جو میرے خیال میں ایک سال سے کم نہ ہوگا) انہوں نے ایک دفعہ پھر اس مسئلے کے متعلق گفتگو کی۔ اب جنگ شروع ہو چکی تھی۔ حالات بدل گئے تھے، مگر گفتگو اسی طرز پر تھی کہ کوئی آدمی کابل جائے تو تمہاری اس کے متعلق کیا رائے ہے؟ اس کے ساتھ ہی حضرت مولانا (شیخ الہندؒ) میرا تعارف ہندوستانی مسلمانوں کی مرکزی سوسائٹی سے کرا چکے تھے۔ میں اس میں ایک معزز ممبر کے طور پر کام کر رہا تھا۔ میں اس دلچسپ مشغلے کو چھوڑ کر کابل کے خشک بیابانوں میں جانا پسند نہیں کرتا تھا۔ میں نے دوسری دفعہ بھی

عذر کر دیا۔ آپ پھر بھی خاموش ہو گئے۔ تیسری دفعہ واقعہ یوں ہوا کہ مجھے اطلاع ملی کہ مولانا برکت اللہ برلن سے استنبول ہو کر (2 اکتوبر 1915ء کو) کابل آ رہے ہیں۔ اور مہندر پرتاپ بھی ان کے ساتھ ہے۔ دلی میں ایک دوست نے مجھے بتایا۔ تو میں دوڑا ہوا دیوبند آیا اور مولانا سے ذکر کیا کہ برکت اللہ اور مہندر پرتاپ وہاں (کابل) آ گئے ہیں۔ مولانا کو چونکہ کابل کے معاملات سے خاص دلچسپی تھی۔ میں نے خیال کیا کہ وہ یہ سن کر بہت خوش ہوں گے۔ تخلیے کے مناسب وقت میں ذکر کیا، مولانا یہ سن کر مجھ پر اس قدر برہم ہوئے کہ اتنے کبھی برہم نہیں ہوئے تھے۔ فرمایا: دیکھو! ایک ہندو یہاں سے برلن جاتا ہے اور برلن سے قسطنطنیہ آتا ہے اور وہاں سے کابل۔ اور میں اتنے دنوں سے سر پٹک رہا ہوں، کسی کو یہ توفیق نہیں ہوتی کہ یہاں سے دو قدم کابل چلا جائے (یہ میرے متعلق تھا) میرا یہ حال تھا کہ میں چاہتا تھا کہ زمین پھٹے اور میں اس میں سما جاؤں۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میں پھر مولانا سے نہیں ملا اور کابل چلا گیا۔ میرے گرد کئی حلقے تھے جن میں سے نکل جانا سخت دشوار تھا۔ ہر طرف سے راستے بند تھے۔ میرا ایک دوست بھی نہیں، جس سے میں مشورہ کرتا اور ساتھ ہی مجھے یہ بھی اندیشہ تھا کہ اگر میں پکڑا گیا تو حضرت مولانا یہ خیال کریں گے کہ عبید اللہ جانا نہیں چاہتا تھا اس لیے اپنے آپ کو پکڑوا دیا۔ وہ یہ خیال کرتے تھے کہ یہ ناممکن ہے کہ عبید اللہ پکڑا جانا نہ چاہے اور وہ پکڑا جائے۔ الغرض خدا کے فضل سے میں یہاں سے کسی نہ کسی طرح نکل ہی گیا۔ میں اسے بھی حضرت مولانا کی ایک کرامت مانتا ہوں۔

میں یہاں یہ روشن کرنا چاہتا ہوں کہ اپنا امیر اپنے لوگوں کو اس طرح حکم دیتا ہے، اس کے بعد ہم ایک دوسری مسلمان قوم کے مسلمان حاکم (امیر کابل) کا تجربہ کر چکے ہیں۔ وہ ہم پر انگریزوں سے بہتر حکومت نہیں کرتا۔

(مولانا سندھیؒ کابل میں ''عین العمارت'' میں مقیم تھے، اس میں ایک چوکھٹے میں یہ شعر لکھ کر لگا رکھا تھا ؎

ما خانہ امیدگان ظلمیم
پیغامِ خوش از دیارِ ما نیست

اس کے بعد میں حقیقی معنوں میں ہندوستانی بنا ہوں۔ میرا حاکم ایک ہندوستانی ہوگا۔

غیر مسلم امیر کا امکان

میں اپنے لیے یقیناً ایک مسلمان حاکم چاہتا ہوں۔ میری عقل نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اگر مسلمان میسر نہ آیا تو میں تھوڑی دیر کے لیے ایک غیر مسلم ہندوستانی کے ساتھ نباہ کر سکتا ہوں۔ مگر غیر ہندوستانی

مسلمان کے ساتھ ایک سیکنڈ نہیں گزار سکتا۔ وہ مجھے غلاموں کی طرح مانتا ہے۔ ہندوستانی غیر مسلم مجھے کم سے کم ایک شریف ہمسائے کی طرح تو رکھے گا۔ وہ جانتا ہے کہ اگر وہ مجھے تکلیف پہنچائے گا تو میں بھی اسے تکلیف پہنچا سکتا ہوں۔ اگر مسلمان ہو تو میں اس سے کوئی توقع نہیں باندھتا۔ گو ہر ایک قوم میں بعض انسان ہوتے ہیں جو اس قسم کے نہیں ہوتے۔ مگر وہ اتفاقاً ملتے ہیں۔ سیاسیات کی دنیا میں اتفاقات پر کسی قاعدے کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔ (جملہ معترضہ ختم ہوا)

وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا (اور مال خرچ کرو!)

خرچ کونسا مال کیا جائے؟

بال بچوں کو کھلا کر جو بچے وہ اس تحریک میں خرچ کرو۔

لِّاَنْفُسِكُمْ (اپنے آپ کے لئے)

یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے اس سے تمہاری ہی تحریک کو ترقی ہوتی ہے۔

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (اور جس نے اپنے نفس کو بخل سے بچایا وہی کامیاب ہیں)

کامیابی کی شرط

جس شخص کو خدا قومی تحریکوں میں کام کرنے کے زمانے میں بخل سے بچا لے یعنی وہ قومی تحریکوں میں روپیہ خرچ کرنے میں بخل سے کام نہ لے وہی لوگ جلدی کامیاب ہوتے ہیں۔

آیت نمبر 17: اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ o

ترجمہ: ''اگر قرض دو اللہ کو اچھی طرح پر قرض دینا، وہ دونا کر دے تم کو اور تم کو بخشے اور اللہ قدر دان ہے تحمل والا۔''

درجہ اول اور درجہ دوم کا ایثار

یہ جو خرچ کرنا ہے اس کا ایک درجہ یہ ہے کہ تحریک کے لیے سب کچھ دے دیا۔ اس سے کوئی توقع اپنی ذات کے لیے نہ رکھی۔ یہ اول درجے کا ایثار ہے۔ دوسرے درجے کا ایثار یہ ہے کہ روپیہ ہمارے پاس ہے مگر گھر میں بیکار رکھا ہے۔ ہم اسے دے نہیں سکتے۔ اس لیے کہ ہمیں اس کی ضرورت پیش آنے والی ہے۔ یہ روپیہ قومی کاموں میں بطور قرض دے دو۔ گھر میں بیکار پڑا رہنے کی بجائے وہاں کام آتا رہے گا۔ ایسے قرضوں کے متعلق امیر کا فرض ہوگا

www.rahimia.org

کہ جب واپس مانگا جائے فوراً واپس کر دے۔ دوسری جگہ سے قرض لینا پڑے تو لے مگر اس کا قرض ادا کر دے۔ جب تک امیر اپنی یہ ساکھ قائم نہیں رکھتا ہے کہ ہر مطالبے کے وقت روپیہ ادا کر دیتا ہے۔ اس وقت تک وہ قومی قرض کا مستحق نہیں ہوسکتا۔ یورپ نے اسے منظم کر کے بنک کا نظام قائم کرلیا ہے اور ہمارے لوگ اُلّو ہیں کہ یورپ سے قرض لے کر حکومتیں چلاتے ہیں۔ وہ اپنی قوم سے کیوں قرض نہیں لیتے؟ اس لیے کہ ان کی ساکھ خراب ہو چکی ہے۔ جس شخص کی اتنی ساکھ بھی نہیں کہ اس کی قوم اسے قرض دے، اس کا حکومت پر رہنے کا کیا حق ہے؟ ہمارے بوسیدہ نظام میں نالائق سے نالائق کی طاقت قائم رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ امیر کی اطاعتِ بلا شرط کا توڑنا شاہ صاحب کی حکمت کا ایک اساسی اصول ہے۔

قَرْضًا حَسَنًا (اچھی طرح پر قرض دینا)

قرضِ حسنہ

سود نہیں مانگو گے۔ جب تم اصل مانگو گے تو واپس کر دیا جائے گا۔

يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ (وہ دُگنا کر دے تم کو)

تمہارے مال میں بڑی برکت دے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہو سکے تو امیر کی طرف سے (بطور تبرع) دو گنا کر کے روپیہ واپس دے دیا جائے۔ (یہ سود نہیں ہے)

وَيَغْفِرْ لَكُمْ

اگر تم نے اب تک روپیہ بیت المال میں نہیں رکھا تو خیر۔ اب یہ کام شروع کرلو۔ پہلی غلطی معاف ہے۔

وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ

اگر تم اس طرح روپیہ قرض دے کر بھی تحریک کی مدد کرو تو اللہ تمہارے اس فعل کا تمہیں بہت اچھا اجر دے گا اور اگر یہ نہ کرسکو یعنی تمہارے پاس روپیہ ہی نہ ہو تو خیر اللہ رحم کرے گا۔

آیت نمبر 18: عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝١٨

ترجمہ: ''جاننے والا پوشیدہ اور ظاہر کا زبردست حکمت والا۔''

قرآن عزت وحکمت کا کفیل ہے

اللہ غیب اور شہادت کا جاننے والا ہے۔ اور عزت اور حکمت دینے والا ہے۔ یہ عزت اور حکمت اس قانون کی پابندی سے ملے گی۔ اس حکمت کو سمجھ کر اسے عزت کا ذریعہ بنانا یہی قرآن کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ بظاہر حالات چاہے کتنے ہی تعلیمِ قرآن کے خلاف نظر آتے ہوں کبھی پریشان نہیں ہونا چاہیے اس لیے کہ جس نے یہ فکر دیا ہے وہ عالم الغیب والشہادۃ ہے۔

سورۂ تغابن مکمل ہوئی۔ بشیر احمد 25 نومبر 1943ء گوجر خان

www.rahimia.org

(سورت تغابن کے ساتھ سورت طلاق سے متعلق کچھ تفسیری افادات ہمیں دستیاب ہوئے ہیں، انہیں بھی ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔۔۔۔آزاد)

سورت طلاق کا مضمون

سورۂ طلاق میں اجتماعیت انسانیہ کے ایک اہم مسئلے طلاق کی ضرورت پر بحث کی گئی ہے۔

سورۂ تغابن کے ساتھ ربط

سورۂ تغابن میں بین الاقوامی اجتماعیت کا تذکرہ تھا۔ اس مقصد اعلیٰ سے جو چیز سب سے زیادہ مؤثر طور پر روک سکتی ہے وہ عورت ہے۔ مرد اپنی اجتماعی زندگی میں عورت کے ساتھ وابستہ ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر اہلی (گھریلو) زندگی بن نہیں سکتی۔ اگر عورت مرد کے اعلیٰ پروگرام میں اس کا ساتھ نہ دے تو وہ مرد کو بہت پیچھے ہٹا سکتی ہے۔ مرد میں اتنی ہمت ہونی چاہیے کہ وہ عورت کی رکاوٹ کو دور کر سکے۔ تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ جب تک عورت کو یہ ثابت نہ ہو جائے کہ مرد مجھے علیحدہ کرنے پر قادر ہے اس وقت تک وہ درست ہونے کا نام نہیں لیتی۔ اگر مرد اپنی قوت مردمی سے عورت کو اپنا مطیع ومنقاد بنانے کے بعد اسے یقین دلا دے کہ اگر وہ اس کے اعلیٰ پروگرام میں اس کا ساتھ نہ دے گی تو اسے علیحدہ کر دے گا تو وہ کبھی علیحدہ ہونے کا نام نہ لے گی اور مرد کی پوری پوری اطاعت کر کے اس کی معاون بن جائے گی۔ اس لیے مرد میں اس کی قوت محفوظ رہنی چاہیے کہ اگر کبھی عورت اسے کام سے روکے تو اسے علیحدہ کر سکے جو شخص عورت کو چھوڑ سکتا ہے وہ اور کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لا سکتا۔

سورۂ تغابن کی آیت نمبر 14 میں ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِنَّ مِنْ أَزْوَٰجِكُمْ وَأَوْلَٰدِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَٱحْذَرُوهُمْ ۚ وَإِن تَعْفُوا۟ وَتَصْفَحُوا۟ وَتَغْفِرُوا۟ فَإِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٤﴾

اس آیت پر صرف عورت کے معاملے پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس اعلیٰ اجتماعی تحریک کی مخالف ہو سکتی ہے۔ اس حالت میں اسے سمجھا بجھا کر ساتھ رکھنا چاہیے۔ اگر عورت مخالفت کرے تو اس کے دو درجے ہو سکتے ہیں:

(1) ایک شکل تو یہ ہے کہ وہ آج مخالف ہے مگر سمجھانے بجھانے سے کل کو سدھر سکتی ہے۔ اس صورت میں اس کی پہلی لغزشیں معاف کر دو (تعفوا) اور درگزر کر دو (تصفحوا) اور ان کو سزا مت دو (تغفروا) اور اس کو معاف کر دو۔

(2) دوسری صورت یہ ہے کہ باوجود سمجھانے بجھانے اور مآل (نتائج) بتانے کے عورت تمہارا پروگرام

www.rahimia.org

چلنے نہیں دیتی۔ اور تم سیاست منزلی کے اصول کے مطابق (جن کا ذکر قرآن حکیم میں کسی اور جگہ وضاحت سے کر دیا گیا ہے) اسے اپنی تحریک میں شامل کرنے سے عاجز آ گئے ہوں تو اس کے سوا چارہ نہیں کہ طلاق دے دی جائے۔

نبی کو کیوں مخاطب کیا؟

اس سورت میں پہلے نبی اکرم ﷺ سے خطاب کیا گیا ہے۔ یعنی خدا اور رسول کی اطاعت میں لوگ طلاق دیں تو خدا کا قانون یہ ہے کہ اگر نبی کو اس کی ضرورت پڑے تو وہ بھی یہی کرے۔

یہاں ہم حکم پر بحث نہیں کرتے۔ وہ تو صاف موجود ہے، البتہ چند جملے جو زائد آ گئے ہیں ان کی تشریح کر دیتے ہیں۔

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ (یہ اللہ کی حدود ہیں)

حدود اللہ کیا ہیں؟

''حد'' کہتے ہیں اس جگہ کو جہاں کوئی چیز ختم ہو جائے۔

قانون ہمیشہ اپنی حد مقرر کر لیتا ہے۔ وہ کسی بات کو انسان کے اختیار تمیزی (Indgement) پر نہیں چھوڑتا۔ قانون یہ نہیں کرتا کہ کام بتا دے اور پھر اجازت دے دے کہ جس طرح چاہو کرو۔ قانون یہ بتاتا ہے کہ ان حدود کے اندر رہ کر یہاں سے وہاں تک کام کرو۔ ان حدود کے اندر سمجھدار اور بے سمجھ سب چل سکتے ہیں۔ اختیار کی صورت میں صرف سمجھدار ہی کام کر سکتے ہیں۔

گھر میں زندگی بسر کرنے کا سب سے پہلا درجہ یہ ہے کہ مرد اور عورت اجتماعی قانون کے مطابق وابستہ ہو کر زندگی گزاریں۔ اب اگر میاں بیوی میں نہیں بنتی تو ان کی علیحدگی بھی قانون ہی کے حدود کے اندر رہ کر ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دوسری عورت جو آئے وہ یہ سمجھ کر آ سکتی ہے کہ مجھ پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ پوری عزت کے ساتھ آ سکتی ہے۔ اور مرد کے ساتھ مل کر کام کر سکتی ہے۔ اور جب وہ مل کر کام نہ کر سکے تو عزت کے ساتھ رخصت کی جا سکتی ہے۔ اور یہ سب کام قانون کی حدود کے اندر رہ کر ہوں گے۔ اسے قانونی حفاظت حاصل ہے، اگر مرد نے عورت کے حقوق پر تعدّی (زیادتی) شروع کی اور اسے ناجائز دبانا شروع کیا تو وہ اس مرد کے ساتھ شریک رہ کر کام نہ کر سکے گی۔ یعنی اپنے فیصلے سے مرد کی قائم مقام ہو کر گھر کو نہیں چلائے گی۔ لیکن اگر مرد نے اس پر ظلم نہ کیا مگر وہ عورت اس کے ساتھ مل کر کام نہیں کر سکتی۔ تو عزت کے ساتھ الگ ہو کر دوسرے کے گھر جا کر آباد ہو سکتی ہے۔ اور چونکہ پہلے مرد کا بھی اعتبار قائم ہے کہ وہ قانون کا پابند ہے اس لیے دوسری عورت اس کے ہاں آ سکتی ہے۔ اور وہ بھی اپنے آپ کو قانون کی حفاظت میں محفوظ محسوس کر سکتی ہے۔

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ

(جس نے اللہ کی حدود میں حد سے تجاوز کیا پس اس نے اپنے اوپر ظلم کیا)

جس نے قانون کی خلاف ورزی کی اس نے دوسرے پر تو بے شک ظلم کیا ہی ہے کہ اس کے حق چھین لیے مگر غور سے دیکھا جائے تو حقیقت میں اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا کہ اب کوئی شخص اس پر بھروسہ کر کے اس کے ساتھ مل کر کام نہ کر سکے گا۔

نوٹ:

افسوس کہ ہمیں حضرت سندھیؒ کے تفسیری افادات کا مسودہ یہاں تک ہی دستیاب ہو سکا ہے۔ (آزاد)

حوالہ جات وحواشی

(1) دیکھئے حجۃ اللہ البالغہ، باب انشقاق التکلیف من التقدیر از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ

(2) دیکھئے ''تقریر دل پذیر'' از حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

(3) رواہ الترمذی، حدیث نمبر 3539

(4) یہ شاہ ولی اللہ صاحب کی بیان کردہ اصطلاح ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ''انسان کے دل کے اندر وہ نقطہ نوران، جس میں اللہ کی تجلی اور الہام کا ظہور ہوتا ہے۔ تفصیلات کے لیے دیکھئے شاہ صاحب کی کتاب ''الطاف القدس'' اور ''تفہیمات الٰہیہ'' آزاد۔

(5) حدیث پاک میں آیا ہے ''کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ'' (تم میں سے ایک سربراہ ہے، اور ہر ایک سے اس کے ماتحت لوگوں کے بارہ میں سوال کیا جائے گا)، رواہ البخاری

www.rahimia.org

مطالعہ سیرت

سماجی تشکیلِ نو کا تصور اور لائحہ عمل، اُسوۂ حسنہ کے تناظر میں ایک جائزہ

پروفیسر ڈاکٹر سعید الرحمن

انسانی معاشرہ میں اجتماعی تبدیلی اور سماجی تشکیلِ نو کا عمل ایک صبر آزما جہد مسلسل کا نام ہے۔ اس سلسلے میں دنیا کے اندر یوں تو کئی ایک انقلابی کاوشیں ہوئیں ہیں لیکن جو عالمگیریت اور ہمہ گیریت رسول اللہ ﷺ کی برپا کردہ اجتماعی تبدیلی کو حاصل ہوئی ہے وہ آج تک کسی اور انقلاب کو حاصل نہیں ہوسکی۔ لہٰذا سیرت نبویؐ کا اس حوالہ سے مطالعہ کیا جانا وقت کی ضرورت ہے تاکہ اسوۂ حسنہ کی روشنی میں سماجی تشکیلِ نو کے خطوط کا تعین کیا جاسکے۔ چنانچہ سماجی تشکیلِ نو اور اجتماعی تبدیلی کے لیے درج ذیل بنیادی اور اساسی امور کا تعین ضروری ہے۔

1۔ سماجی تشکیلِ نو کا تصور اور وژن۔
2۔ سماجی تشکیلِ نو کا دائرہ کار۔
3۔ جس معاشرہ میں تبدیلی لانا مقصود ہے اس کا تجزیہ۔
4۔ سماجی تشکیلِ نو کے لیے اجتماعی نظم کی اہمیت۔
5۔ سماجی اجتماعیت کے لیے تربیت کی ضرورت۔
6۔ سماجی تشکیلِ نو کے لیے قیادت کی ناگزیریت۔
7۔ سماجی تشکیلِ نو کے لیے موزوں طریقہ کار کا تعین۔
8۔ مزاحمت کی جوابی حکمت عملی کے خدوخال۔

آمدہ سطور میں ان نکات کا ایک جائزہ پیش ہے۔

1۔ سماجی تشکیلِ نو کا تصور اور وژن:

سماجی تشکیلِ نو کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے کے سامنے اس نظام کا وژن پیش کیا جائے جو موجودہ مسائل کا بہترین حل ہو۔ کوئی بھی تبدیلی خواہ محدود پیمانہ پر ہو یا وسیع پیمانہ پر، اس کی بنیاد جب تک ایسا عقیدہ اور نظریہ نہ ہو جس پر سماجی تبدیلی اور ہمہ گیر اصلاح کی علمبردار قوت یقین رکھے، اس کے مطابق عمل کرے، اس کے لیے قربانی

www.rahimia.org

دے اور اس کے تقاضوں کی پابندی کرے، اس وقت تک وہ تبدیلی بے مقصد اور بے سود قرار پائے گی۔ متبادل حل کے بغیر موجودہ نظام پر محض تنقید ناکافی ہے، چنانچہ اسلام نے انسانی زندگی کے ہر پہلو کو محیط ایک جامع تصور دیا ہے جو خدا اور بندے کے تعلقات یعنی عقائد و عبادات کے علاوہ بندوں کے باہمی تعلقات یعنی معاملات کی کیفیات کی وضاحت کرتا ہے۔ عقائد و عبادات کے ذیل میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور یومِ آخرت پر ایمان کے علاوہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج جیسے فرائض آجاتے ہیں جب کہ معاملات کے ضمن میں دنیوی زندگی کے تمام پہلو بشمول سیاسی، معاشی اور سماجی شعبہ جات زیر بحث آتے ہیں اور اسلام کے اس جامع تصورِ حیات کا سرنامہ ''کلمہ طیبہ'' ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار قریش کے سردار آپ کے چچا ابو طالب کے ہاں جمع ہوئے۔ ان میں عتبہ بن ربیعہ، ابوجہل بن ہشام، امیہ بن خلف اور ابوسفیان بن حرب جیسے لیڈر شامل تھے۔ ابوطالب کی معرفت ان لوگوں نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ آخر آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ''میں صرف ایک بات کا مطالبہ کرتا ہوں۔ اگر تم اسے مان لو تو تم سارے عرب کے مالک بن جاؤ گے اور عجم تمہارا مطیع و فرمان بردار ہوگا''۔ گویا توحید کا کلمہ بظاہر صرف ایک اعتقادی کلمہ ہے مگر اس کے اندر ہر قسم کی انسانی فتوحات کا راز چھپا ہوا ہے۔ کیوں کہ یہ انسانی فطرت کی آواز اور زندگی کے تمام شعبوں میں تبدیلی کا عنوان ہے۔(1)

اسلام کی تعلیم میں توحید، خدا کے سامنے حاضر ہونے کا یقین، ہمہ گیر سماجی عدل و انصاف اور تہذیب نفس کے جامع اور ہمہ گیر اصول موجود ہیں۔ چنانچہ وہ خدا پرستی کو انسانیت کا ایک لازمی جز ٹھہراتا ہے لیکن اس کے لیے کسی پروہت طبقے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ وہ معاشیات کی عادلانہ تقسیم کا علمبردار ہے جس کی رو سے انسان کی طبعی ضرورتوں خوراک، لباس، مکان، تعلیم اور صحت کے انتظامات تمام انسانوں کے لیے یکساں ہوں۔ غرض جہاں وہ خدا کو پہچاننے اور اس کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کے مواقع ہر انسان کو بہم پہنچاتا ہے وہاں ہر ایک انسان کی طبعی حیوانی ضروریات فراہم کرنا تمام انسانوں کا فرض قرار دیتا ہے اور اسے خدا کی محبت کا ایک جز بناتا ہے۔ اسی بناء پر جو شخص خدا کے ساتھ اپنا تعلق ظاہر کرتا ہے لیکن اس کی محبت کا دم بھرنے کے بعد اس کے بندوں کے ساتھ انصاف کرنے اور کمزور انسانوں کی مدد کرنے میں سستی، کاہلی، غفلت یا بے رُخی دکھاتا ہے، وہ اسلام کی نگاہ میں مجرم اور خدا کے سامنے گنہگار ہے، اس سے دنیا میں قرآنی معاشرہ اور نظام جواب طلب کرے گا اور مرنے کے بعد کی زندگی میں خدا تعالیٰ خود ایک دن مقرر کرکے جواب طلبی کرے گا۔ بعض نام نہاد مذہبی لوگ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کے مسائل کو تو دین قرار دیتے ہیں لیکن حکومت اور اس سے متعلقہ امور جیسے ٹیکس وصول کرنا، فوجداری اور دیوانی انتظام کرنا، مخالفین کے ساتھ جنگ یا صلح کرنا اور معاہدے کرنا وغیرہ کو سیاست اور دنیا قرار دے کر اس سے احتراز کا مشورہ دیتے ہیں حالانکہ رسول اکرم ﷺ کی زندگی کا بیشتر حصہ عباداتی فرائض ادا کرنے کے بعد قرآن کی اشاعت

، بیرونی وفود سے ملاقاتوں ، حکمرانوں کو دعوتِ اسلام ، مقدمات کے فیصلوں ، لشکروں کی تیاری ، جو حکمراں آپ کی دعوت قبول نہیں کرتے اور اپنی رعایا پر ظلم کرتے ان پر لشکری کشی ، نظامِ مملکت کے لیے مالیانے کی جمع ، تعلیم کے انتظام ، غریبوں اور بے کسوں کی خبر گیری اور ان کے قرضوں کے ادا کرنے کے انتظام نیز یتیموں کی جائیداد کے اہتمام اور بیواؤں کی نگرانی کرنے میں گزرتا تھا۔(2)

2۔ سماجی تشکیلِ نو کا دائرہ کار:

رسول اکرم ﷺ کی دعوت خاص قبیلہ ، نامزد خاندان یا مخصوص حلقہ تک محدود نہیں تھی جیسا کہ گذشتہ انبیاء کی دعوت تھی۔ اس لیے آپ کی انقلابی تحریک کا حلقۂ عمل محض جزیرہ نما عرب نہیں تھا بلکہ یہ انقلاب حقیقت میں بین الاقوامی تھا، گو اپنے طریق کار میں ابتداءً قومی تھا، یہی سبب ہے کہ مشرق و مغرب کی طاقتوں یعنی ایران و روم کو قرآنی نظام کے تحت لاکر اس تحریک کو عالمی حیثیت دی گئی۔ واضح رہے کہ قیصر و کسریٰ کے نظام دنیائے انسانیت کے لیے تباہ کن تھے۔ ان نظاموں نے متمدن انسانیت کے اکثریتی حصہ کو اس انداز میں اقتصادی اور ذہنی غلامی میں جکڑ رکھا تھا کہ کسی انسان کو اپنی حقیقی اور روحانی ضرورتوں پر غور و فکر کا وقت نہیں ملتا تھا لہٰذا مشرق و مغرب کے ان مراکز میں انقلاب برپا کر کے انسانیت کو آزاد کرانا ضروری تھا۔

چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے قرآن حکیم کے ذریعے دنیائے انسانیت میں جو انقلاب برپا کیا وہ حقیقی معنوں میں عالمگیر اور ہمہ گیر تھا۔ اس پر درج ذیل آیات قرآنی شاہد ہیں۔

وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ 3()

(ہم نے آپ کو تمام انسانیت کے لیے رسول بنا کر بھیجا اور اس پر اللہ بطور گواہ کافی ہے۔)

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ 4()

(ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔)

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ 5()

(ہم نے آپ کو تمام تر انسانیت کے لیے بشارت دہندہ اور خبر دار کنندہ بنا کر بھیجا لیکن اکثر لوگ اس سے لاعلم ہیں۔)

رسول کریم ﷺ نے اسی عالمی تناظر میں قومی نظام کے استحکام کے بعد فارس، روم، یمن، مصر، حبشہ، بحرین، دمشق، عمان اور یمامہ کے حکمرانوں کو دعوت اسلام دینے کے لیے مختلف وفود بھیجے اور خطوط ارسال کیے۔

آپ نے براہِ راست اور اپنی تربیت یافتہ جماعت کے ذریعہ مہذب اقوام کی اکثریت کو توحید اور خدمت انسانیت کے نکات پر جمع کر کے نہ صرف یہ کہ ان کے تعلقات ان کے خالق کے ساتھ درست نہج پر قائم کر دیئے بلکہ ان کے باہمی تعلقات بھی عدل پر استوار کر دیئے۔ اب جب کوئی اجتماعیت ہمہ گیر سماجی تشکیلِ نو کے لیے کوشاں ہوگی

تو اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر ہی چلنا ہوگا۔ جو گروہ اس لائحہ عمل کے برعکس پروگرام ترتیب دے گا وہ تو سرے سے ناکام رہے گا یا صرف جزوی طور پر کامیاب ہوگا اور جو معاشرہ اپنی زندگی، اسلام کے اس جامع نظام کے تحت بسر کرے گا، اس کے لیے دنیا میں غلبہ کا دوٹوک وعدہ اور آخرت میں جنت کی ضمانت ہے۔(6) اسی بنا پر بدلتے ہوئے حالات میں اسلام کی حقیقی اور انقلابی سوچ کو معاشرہ میں رواں دواں رکھنے کے لیے باشعور اور خدا پرست مجتہدین کی اجتماعیت کا وجود فرض کفایہ (اجتماعی فرض) کی حیثیت رکھتا ہے۔(7)

3۔ معاشرہ کا تجزیاتی مطالعہ:

اجتماعی تبدیلی محض نصب العین کی سچائی پر ہی منحصر نہیں ہوتی بلکہ معاشرے کی صلاحیت پر بھی موقوف ہوتی ہے۔ چنانچہ عرب کے جغرافیہ میں جو انسانی عنصر جمع تھا وہ اس لحاظ سے انتہائی خوش قسمت تھا کہ اس کی ظاہری جہالت اور اکھڑ پن کے پیچھے فطرت کی سادگی پوری طرح محفوظ تھی، تیس لاکھ کلومیٹر رقبہ والا گرم ملک بعض اعلیٰ ترین انسانی اقدار اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھا۔ ایک عرب اپنے اونٹ کو جو اس کی معاش کا واحد ذریعہ تھا، ذبح کر کے اس کا گوشت مہمانوں کو کھلا دیا کرتا تھا تا کہ وہ بھوکے نہ رہیں، اگر کوئی مظلوم شخص جنگل میں کسی عرب کے خیمے میں پناہ لیتا تو وہ ہاتھ میں تلوار لے کر اس کی حفاظت کرتا تھا یہاں تک کہ وہ اپنی جان پر بھی کھیل جاتا تھا حتیٰ کہ اگر ڈاکو کسی قبیلہ کی خواتین کے قیمتی لباس اور زیورات لوٹنا چاہتے تو وہ ان کو چھو تک نہیں سکتے تھے، وہ عورتوں سے صرف یہ کہتے تھے کہ وہ از خود زیورات اور لباس حوالہ کر دیں اور جس وقت عورتیں لباس اتار رہی ہوتیں، ڈاکو اپنے چہرے پھیر لیتے تا کہ ان کی نگاہ عورتوں کی برہنگی پر نہ پڑے۔

عرب بادیہ بالکل سیدھے سادھے یا کم فہم لوگ نہیں تھے بلکہ وہ نہایت باشعور تھے اور بہت جلد باتوں کی تہہ تک پہنچ جاتے، ان کے ہاں کہنے اور کرنے میں فرق کا کوئی سوال نہیں تھا۔ وہ اقرار اور انکار کے درمیان کسی تیسری چیز کو نہیں جانتے تھے۔ جب وہ کسی کو ایک قول دے دیتے تو اس کو ہر حال میں پورا کرتے، خواہ اس کی خاطر جان و مال کی کتنی ہی بڑی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔(8) اس کے علاوہ بھی ان میں کئی ایک ایسی خوبیاں تھیں جو عرب کے کسی اور قبیلہ میں نہیں پائی جاتی تھیں مثلاً مردانگی، راست گوئی، بہادری، ایثار، حرمت والی چیزوں کی حفاظت، ہمسایہ کے حقوق کا تحفظ، برد باری اور صبر و استقامت وغیرہ اور ساتھ ہی ان میں کچھ ایسی مہلک برائیاں بھی رائج تھیں جن پر عربوں کو فخر تھا اور ان کے نہ ہونے کو عار سمجھتے تھے جیسے شراب نوشی، جوابازی، ظلم پیشہ رشتہ داروں سے تعاون، بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا، باندیوں کو کمائی کی خاطر بدکاری پر مجبور کرنا، جہالت اور نسلی و طبقاتی تکبر و تعصب وغیرہ۔

اس تجزیہ سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ تبدیلی کے عمل اور سماجی اصلاح کے لیے ایسے افراد کے ذریعہ سماجی تشکیلِ نو کے عمل کا آغاز کیا جائے جن میں کم از کم راست گوئی، بہادری، صبر، ایثار اور عقلمندی کے اوصاف موجود ہوں اور بعد

ازیں تربیت کے ذریعے ان میں موجود خامیوں کا ازالہ کیا جائے۔

4۔ سماجی تشکیلِ نو کے لئے اجتماعی نظم کی اہمیت:

سماجی تبدیلی و اصلاح کے عمل کے لیے اجتماعیت اور تنظیم کی اہمیت سے انکار ناممکن ہے کیوں کہ عالم اسباب میں کوئی اجتماعی تبدیلی فردِ واحد نہیں لاسکتا حتی کہ رسول کو بھی حصول نتائج کے لیے اجتماعیت کی ضرورت ہوتی ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

(الف) يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ حَسْبُكَ ٱللَّهُ وَمَنِ ٱتَّبَعَكَ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ (9)

(ب) لَٰكِنِ ٱلرَّسُولُ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مَعَهُۥ جَٰهَدُوا۟ بِأَمْوَٰلِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ (10)

انقلابی اجتماعیت رفقاء کار پر مشتمل ہوتی ہے۔ جب یہ لوگ آپس میں ملتے ہیں تو ایک دوسرے کو ہم خیال پا کر اجتماعی طور پر کام کرنے پر کمر بستہ ہوجاتے ہیں اور یوں ایک اجتماعیت وجود میں آجاتی ہے، اس کے دو مرحلے ہوتے ہیں۔

پہلے مرحلے میں بنیادی اہمیت اس امر کو حاصل ہوتی ہے کہ ایک واضح نصب العین پیش کر کے فیصلہ کرایا جائے اور پھر اسے قبول کر کے چل نکلنے والے ایک دوسرے پر زیادتی نہ کریں۔ یہی رفقاء جانتے ہیں کہ ہم ایک دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں رکھتے اور فکر کو عمل میں لانے کے جذبات کے لحاظ سے ہم سب برابر ہیں جب کہ دوسرے مرحلے میں نصب العین کو ساتھیوں کے ذہنوں کی گہرائی تک پہنچادیا جاتا ہے تا کہ وہ اسے اچھی طرح سمجھ کر فیصلہ کرلیں کہ وہ اس پر قربان ہوسکتے ہیں اور اپنا سب کچھ قربان کرسکتے ہیں۔

یہ حقیقت گذشتہ سطور میں آچکی ہے کہ رسول اکرم ﷺ مشرق ومغرب کی ظلم پیشہ طاقتوں کے خلاف تبدیلی برپا کرنا چاہتے تھے لیکن مجموعی طور پر عربوں کی علمی اور طبعی ترقی ایسی نہیں تھی کہ ان میں سے قیصر وکسریٰ کے مقابلے کے لیے لشکر تیار ہوسکے۔ ادھر عرب کی تنظیمی قابلیت وصلاحیت صرف قریش میں تھی۔ اگر قریش حنیفی ملت کو قائم کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے جوان کے ذہنوں کے بہت زیادہ نزدیک تھی تو انقلاب آسان ہوجاتا لیکن قریش کا بالائی اور دولتمند طبقہ طبعاً قیصر وکسریٰ کی طرف مائل تھا اور انہی کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا کیوں کہ ان کے ممالک کے ساتھ ان کے تجارتی تعلقات تھے۔ لہٰذا رسول اکرم ﷺ کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ ایک ایسی جماعت تیار کریں جو قریش کے رجعت پسندوں پر غالب آجائے اور پھر عرب کے انقلابیوں کو ساتھ ملا کر مشرق ومغرب میں انقلاب کی لہر دوڑائیں۔ (11)

یہاں جماعت سے مقصود یہ ہے کہ چند ہم فکر باشعور افراد اپنے فکر کے مطابق عمل کرنے پر جمع ہوجاتے ہیں، ان میں کوئی اونچ نیچ نہیں ہوتی، وہ اپنے نصب العین کو جانتے ہیں اور اس کی خاطر ہر خطرہ برداشت کرنے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں وہ ایک جسم کی مانند کام کرتے ہیں۔ ان میں فکری وحدت ہوتی ہے اس لیے دشمن کا پروپیگنڈہ ان کو

www.rahimia.org

گمراہ نہیں کر سکتا پھر فکری وحدت کے نتیجے میں ان میں عملی وحدت پیدا ہوجاتی ہے۔ نتیجتاً وہ اپنے نفع ونقصان کو مشترک سمجھتے ہیں اس لیے دشمن کا اقتصادی حملہ بھی انہیں منتشر نہیں کر سکتا۔ (12)

5۔ سماجی تشکیلِ نو کے لیے تربیت کی ضرورت:

اسلام میں اجتماعیت کا قیام، انسانی نفوس کی تبدیلی میں مضمر ہے، انسانی نفس کی تبدیلی لباس یا روپ کی تبدیلی کے مانند نہیں بلکہ یہ ہے کہ انسان کے افکار ونظریات، عقائد و احساسات، مقاصد وطریق کار اور عادات ومعمولات یکسر تبدیل ہوجائیں، اسی کو تربیت کہتے ہیں جس میں درج ذیل امور کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

ا۔ شعوری بیداری:

تربیت کا تعلیم کے ساتھ چولی دامن کا رشتہ ہے لہٰذا اجتماعی تبدیلی کی داعی اجتماعیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے علم کو وسعت دے کیوں کہ انسانیت کے شرف وفضیلت کا معیار ہی علم ہے جس کی بدولت انسان مسجود ملائکہ قرار پایا اور خلافت ارضی کا حق دار ہوا۔ علم برائے علم مقصود نہیں بلکہ ضروری ہے کہ ہر نئی بات کو حکمت وشعور کے میزان میں تول کر اسے قبول یا رد کرنے کا فیصلہ کیا جائے۔ پروپیگنڈہ کے زیر اثر کسی چیز کو قبول کرنا اور اس کی اشاعت کرنا اپنی شخصیت کو بے اعتبار بنانے کے مترادف ہے۔ لہٰذا معلومات کا تنقیدی جائزہ اور حالات کا معروضی مطالعہ، تربیت کا ایک لازمی تقاضہ ہے جو قرآن حکیم کی ذکر کردہ ''بصیرت'' اور حدیث نبویؐ کی بیان کردہ ''فراستِ مؤمن'' کا ایک اہم جزو ہے۔

۲۔ تعلق باللہ اور اس کے معاشرتی تقاضوں سے آگہی:

اجتماعی تبدیلی کے لیے مستعد اجتماعیت کا ذاتِ الٰہی سے گہرا اور شعوری تعلق بھی تربیت کے لوازمات میں سے ایک ہے، کوئی تحریک حقیقی معنوں میں جامع اور صحیح معنوں میں انقلابی اسی وقت ہوسکتی ہے جب اس کا تعلق تجلی الٰہی سے ہو، اسی صورت میں وہ انسان کی اقتصادی اور علمی یا بالفاظ دیگر بہیمی اور ملکوتی وروحانی تقاضوں کی تکمیل کر سکتی ہے کیوں کہ انسان اپنی ساخت کے اعتبار سے بہیمیت یعنی حیوانیت اور ملکیت یعنی عقلیت کا مجموعہ ہے اور ملکیت کا تعلق براہِ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ جب یہ تجلی الٰہی انسانی ذہن میں راسخ ہوجائے گی تو ہر آن اس کی یاد رہے گی اور وہ زبان سے بھی ذکر کرے گا جو درحقیقت اس اندرونی یاد کا عنوان ہوگا۔ (13) جس کے نتیجے میں یہ عقیدہ مستحکم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے بزرگ و برتر ہے اور کائنات وانسانیت کے لیے منبع قانون ہے لہٰذا اگر آباء واجداد، مرشدین واساتذہ اور حکمرانوں کا حکم، حکم خداوندی کے مطابق ہے تو سر تسلیم خم اور اگر حکم الٰہی کے خلاف ہے تو لائق التفات نہیں، حکمت ولی اللہی میں اسے ''اخبات'' کہتے ہیں۔ (14)

اللہ سے تعلق، انسان کے اندر شجاعت وجرأت، جاں نثاری اور مالی قربانی کے جذبات بیدار کرتا ہے جس کے نتیجہ

میں انسان، پروپیگنڈے نیز معاشرے کی ملامت سے بے پرواہ ہوجاتا ہے اور عمل کرنے کے لیے بھی مستعد رہتا ہے۔

تعلق باللہ کا ایک خارجی مظہر یہ ہے کہ انقلابی تحریک مادی اسباب سے کام لینا ضروری تو قرار دیتی ہے لیکن ان اسباب کو کامیابی کا کفیل نہیں سمجھتی بلکہ خدائے وحدہٗ لاشریک کو اس ساری کائنات کا خالق اور مالک مان کر اس پر اور صرف اس پر بھروسہ کرتی ہے۔ اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کے عملی نتائج یہ نکلیں گے :

(الف) قرآنی انقلاب کے کارکن اپنے لیے مادی نفع جوئی نہیں کریں گے، یعنی انقلاب برپا کرکے وہ اپنے ذات کے لیے کوئی مادی فوائد حاصل نہیں کریں گے بلکہ ان سے بالاتر رہ کر صرف رفاہِ عام کے لیے کام کریں گے۔

(ب) یقیناوہ دستیاب مادی اسباب سے کام لیں گے لیکن اپنے آپ کو ان کے ساتھ اس طرح وابستہ نہیں کرلیں گے کہ جب تک مکمل اسباب حاصل نہ ہوں، وہ کوئی کام ہی نہ کریں بلکہ خدا پر بھروسہ رکھ کر کام شروع کردیں گے اور یقین رکھیں گے کہ جوں جوں ضرورت پڑتی جائے گی، خداوند تعالیٰ ان کے لیے اسباب پیدا کرتا رہے گا۔

اس تعلیم کے پیشِ نظر رسول اکرم ﷺ نے اپنے رفقاء کو سکھایا کہ اگر جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ سے مانگو (15) یعنی تمام اسباب کو مان کر اور بھرپور استعمال کرکے بھی ان سے بے تعلق رہو اور کامیابی کا انحصار ان مادی ذرائع کی بجائے ان کی اصل یعنی ذرائع ساز پر رکھو۔

۳۔ خواہشاتِ نفس پر غلبہ:

تربیت کا ایک لازمی تقاضہ یہ بھی ہے کہ افراد اپنے آپ کو باطنی طور پر مضبوط اور طاقتور بنائیں یعنی اپنے آپ کو نفسانی خواہشات کے ہالہ سے آزاد کرکے اس بلند تر ذہنی سطح تک لے آئیں جہاں طمع و لالچ، غصہ و نفرت، جاہ پرستی، ریاکاری و تصنع، جاہ طلبی و تکبر، مصلحت پسندی، حیلہ سازی، ذاتی اغراض کی غلامی اس کے آڑے نہیں آتی اور وہ بہرنوع قوت تسخیر کی حامل ہوجاتی ہے اور ہر آزمائش میں پوری اترتی ہے۔ انسان کے اندر یہ حقیقی اور مستقل کردار صرف آخرت پر گہرے یقین سے ہی پیدا ہوسکتا ہے کیوں کہ عقیدہ آخرت آدمی سے لاپرواہی اور بے راہروی کا مزاج چھین لیتا ہے اور اس کو پابند اور ذمہ دار انسان بنا دیتا ہے اسی لیے قرآن و حدیث میں اس عقیدہ کو اساسی حیثیت دی گئی ہے۔

۴۔ صبر اور عدمِ تشدد:

سماجی تشکیلِ نو نہایت درجہ مشکل عمل ہے، اس سے ہمیشہ شدید مخالفتوں اور سنگین مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، خصوصاً ان عناصر کی طرف سے جن کے مفادات تبدیلی کے عمل سے خطرے میں ہوں، اس بنا پر صحت مند تبدیلی کے لیے کوشاں اجتماعیت کے لیے لازم ہوجاتا ہے کہ وہ صبر و تحمل سے کام لے اور اشتعال میں نہ آئے۔ صبر

www.rahimia.org

کی اصطلاح اسلام میں کافی وسعت کی حامل ہے تاہم اس کے دو پہلوؤں کا تذکرہ یہاں مناسب ہوگا۔

(الف) اسلام کے علمبردار چونکہ ہر حال میں اخلاقی حدود کے پابند اور دوسرے لوگ اس قسم کی بندشوں سے آزاد ہیں اس لیے ممکن ہے کہ یہ بات انقلابِ حق کے لیے کوشاں جماعت کو اس حد تک متأثر کر جائے کہ وہ اسلامی طریق کار کو ہلکا سمجھنے لگے اور اس کے دل میں یہ خیال پرورش پانے لگے کہ اسے بھی وہی طریقے اختیار کرنے چاہئیں جو دوسرے لوگ اختیار کر رہے ہیں اس موقع پر ''صبر'' اس بات سے روکتا ہے کہ اپنے طریق عمل کو ہلکا اور بے اثر سمجھنے لگے چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ۝ (16) ''اے نبی ! صبر کیجیے یقینا اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یقین نہ رکھنے والے آپ کو سبک نہ کریں''۔

(ب) مخالفین کی ایذا رسانی پر مکمل برداشت کا مظاہرہ کیا جائے جیسے آیت قرآنی ہے وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ط (17) ''انبیاء نے کہا ہم یقینا ان ایذاؤں پر صبر کریں گے جو تم ہم کو دیتے ہو''۔

مصائب درحقیقت داعی کی سنجیدگی کا امتحان ہوتے ہیں اور کسی کے لیے اس کی دعوت اسی وقت قابل قبول ہوسکتی ہے جب وہ اس کے سامنے اپنے آپ کو مکمل طور پر سنجیدہ ثابت کردے، جوابی کاروائیوں پر گھبرا اٹھنا یا جزع فزع کرنا دعوت میں غیر سنجیدگی کی علامت ہے۔

صبر کا تقاضہ یہ ہے کہ خارجی امکانات و حقائق کا بے لاگ جائزہ لے کر اس کے مطابق گہری منصوبہ بندی کی جائے۔ صبر سے انسان کے اندر سفلی جذبات اور سطحی محرکات کی جگہ عقل جیسی ربانی قوت اپنا عمل کرنے کے لیے بیدار ہوجاتی ہے جو کہ ایک حیرت انگیز قوت ہے۔ (18)

صبر (اور عدمِ تشدد) درحقیقت اس کا نام نہیں کہ کوئی لڑنے نہ آئے تو آپ نہ لڑیں، صبر یہ ہے کہ لوگ لڑنے آئیں پھر بھی آپ ان سے نہ لڑیں، لوگ آپ کو اشتعال دلائیں مگر آپ مشتعل نہ ہوں۔ لوگ آپ کے خلاف سازشیں کریں مگر آپ اپنی خاموش تدبیروں سے انہیں ناکام بنادیں، لوگ آپ کے خلاف اپنے دلوں میں دشمنی لیے ہوئے ہوں تب بھی آپ ان کی دشمنی کو عمل میں نہ آنے دیں۔

جو لوگ مشتعل ہو کر لڑنا جانیں اور خاموش ہو کر تیاری کرنا نہ جانیں، ان کے یہاں صرف بربادی کا انجام ہے۔ ناممکن ہے کہ خدا کی دنیا میں وہ کامیاب ہوسکیں۔ کیسی عجیب بات ہے کہ کامیابی پیغمبر ﷺ نے نہ ٹکرانے کی پالیسی اختیار کرکے حاصل کی، اس کو ہم آج ٹکرانے کا طریقہ اختیار کرکے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ (19)

۵۔ نظم وضبط کی پابندی:

اجتماعی تبدیل کے لیے کوشاں جماعت، نظم وضبط کی تیاری کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی اور جتنا بڑا انقلاب ہوگا اتنے ہی زبردست نظم وضبط کی ضرورت ہوتی ہے اور جو جماعت بہت سخت نظم وضبط کی مالک ہوتی ہے وہ صلح اور

www.rahimia.org

جنگ میں اپنی مرکزی جماعت کے فیصلے کی پوری پوری فرمانبرداری کرتی ہے، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے جو جماعت پیدا کی، اس نے جنگ میں نظم و ضبط کا مظاہرہ کئی بار کیا جب کہ صلح میں ضبط کے بہترین مظاہرے کا موقع حدیبیہ میں پیش آیا جب آپ کی جماعت نے صلح کی جزئیات کو پوری طرح نہ سمجھتے ہوئے بھی اس کو صرف اس لیے مان لیا کہ وہ ایک زبردست نظم و ضبط میں منسلک تھے، اس ضبط کی انتہاء یہ تھی کہ جب آپ نے اس جماعت سے موت پر بیعت لینا چاہی تو ہر شخص نے ٹھنڈے دل کے ساتھ یہ سمجھ کر بیعت کی کہ یہ موت یقینی ہے اور جو شخص بھی اس وعدے کو توڑے گا، اسے ضبط توڑنے کی بڑی سے بڑی سزا بھی مل سکتی ہے۔(20)

نظم وضبط کا ہی تقاضہ ہے کہ اختلاف کی صورت میں ساری ذمہ داری اپنے سر لے کر مسئلہ کو یک طرفہ طور پر ختم کر دیا جائے، حقیقت یہ ہے کہ کوئی اجتماعی زندگی اسی وقت کامیاب ہوسکتی ہے جب اس کے افراد میں اتنی بلندی ہو کہ وہ حقوق کی بحث میں الجھے بغیر اپنے اوپر ذمہ داری لینے کی جرأت رکھتے ہوں جہاں یہ مزاج نہ ہو وہاں صرف آپس کا اختلاف ہی پرورش پاسکتا ہے۔ جیسا کہ ذات السلاسل کی جنگ (8ہجری) کے موقع پر جب یکے بعد دیگرے دوفوجی دستے حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کی قیادت میں بھیجے گئے تو دونوں کی مشترکہ قیادت کے مسئلے پر لشکر میں اختلاف رونما ہوا جو حضرت ابوعبیدہؓ کی طرف سے قیادت سے دستبرداری کے فیصلے سے ختم ہوا۔(21)

۶۔ استقامت اور بے لوث قربانی:

جو لوگ اجتماعی تبدیلی کے اعلیٰ نصب العین کو دل و جان سے تسلیم کر لیتے ہیں تو ان کے گھر کے عزیز و اقارب تک دشمن ہوجاتے ہیں، محلے والے، گاؤں اور شہر والے حتیٰ کہ سارا ملک دشمن ہوجاتا ہے اور اگر ملک میں کوئی حکومت ہوتو وہ بھی ان کی دشمن بن جاتی ہے، ان لوگوں کو اپنے نصب العین میں کامیابی کے لیے ان سب کی مجموعی دشمنی کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اگر انقلابی کارکن یہ سب کچھ سمجھ کر محسوس کر لیں کہ ان کا نصب العین اتنا دلچسپ اور بلند ہے کہ وہ اس کے لیے ان سب عداوتوں اور مصیبتوں کو برداشت کر سکیں گے اور اپنے نصب العین پر اپنی جان، اپنے بیوی بچے، اپنے عزیز و اقارب اور اپنا تمام مال و متاع غرضیکہ سب کچھ قربان کر دیں گے تو ان کا کام آسان ہوجاتا ہے۔

اس راہ میں سب سے بڑا سنگ گراں مخالف حکومت کا ہونا ہے لیکن وہ کیا کرسکتی ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہ دنیا کی زندگی چھین لے گی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ پر آنے والے مصری جادوگر جب حضرت موسیٰؑ پر ایمان لے آئے تو انہوں نے یہی کہا تھا کہ: قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝(22) ''اے فرعون! یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ہم تجھے ان دلائل و براہین کے مقابلہ میں جو ہم سمجھ چکے ہیں، ترجیح دینے لگیں اور تجھے اس ذات واحد سے بالاتر سمجھنے لگیں جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، تو جو کچھ کرسکتا ہے کر گزر (اور حقیقت میں تو کچھ کر ہی نہیں سکتا) زیادہ سے زیادہ یہ کہ تو ہماری اس چند

www.rahimia.org

روزہ دنیاوی زندگی کے متعلق کچھ کر سکتا ہے''۔

گویا بنیادی تبدیلی کے عمل کے لیے ضروری ہے کہ ذہن بالکل واضح اور دل بالکل مطمئن ہو، اپنے نظریات پر پختہ ایمان ہو اور اس کے لیے مال و جان اور اولاد کی قربانی پر تیار ہو، چنانچہ رسول اکرم ﷺ کو جب سب سے زیادہ دولت مند بنانے، بادشاہ بنانے اور دیگر پرکشش مادی ترغیبات دی گئیں تو آپ نے سب کو مسترد کر دیا اور اپنے چچا سے کہا کہ بخدا! اگر میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں تاکہ میں اس معاملہ سے کنارہ کش ہو جاؤں تو بھی میں اس سے دست کش نہیں ہوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے غالب کر دے یا میں جان سے چلا جاؤں۔ (23) اور یہی وہ استقامت تھی جس نے آپ کی اپنے ساتھیوں میں قدر و منزلت اور احترام نیز مخالفین کے دلوں میں مرعوبیت پیدا کی۔ گویا آپ کا طریق عمل اپنے ہم منصب دیگر رسولوں کی مانند تھا جو کہتے تھے کہ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۲﴾ (24) ''اگر تم لوگوں نے اعراض کیا ہے تو میں نے تو تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگا، میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے اور مجھے حکم ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہو جاؤں''۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ (25) ''اے میری قوم! میں تم سے مال کا طالب نہیں ہوں میرا اجر تو اللہ ہی کے ذمہ ہے''۔ اسی طرح قرآن حکیم میں ایک مرد صالح کے ذریعہ اس جانب رہنمائی کی گئی: اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾ (26) ''ان لوگوں کی پیروی کرو جو تم سے کوئی اجرت نہیں طلب کرتے اور وہ ہدایت یافتہ اور رہنمائی کے لائق ہیں''۔

اس سے یہ بدیہی نتیجہ نکلتا ہے کہ وہی تبدیلی مؤثر ہوتی ہے جس کے پیچھے کوئی ذاتی طمع اور انفرادی مفاد نہ ہو، رسول اکرم ﷺ نے تو اس مشن کی راہ میں نہ صرف اپنا وقت اور اپنے جسم و دماغ کی ساری طاقت لگا دی بلکہ اپنا سارا اثاثہ بھی اس کی راہ میں قربان کر دیا، واضح رہے کہ نبوت سے قبل مکہ مکرمہ کی ایک دولت مند خاتون سے نکاح کے بعد آپ کافی مال دار ہو گئے تھے چنانچہ نبوت کے ابتدائی دور میں جب سرداران مکہ نے عتبہ بن ربیعہ کو اپنا نمائندہ بنا کر آپ کے پاس بھیجا تو وہ آپ کے پاس آ کر از خود مرعوب ہو گیا اور گھر نشین ہو گیا، اس پر ابوجہل نے اسے آپ کی مہمان نوازی اور ملی حیثیت سے متاثر ہونے کا طعنہ دیا، اسی طرح ایک مرتبہ ولید بن مغیرہ آپ کے پاس آیا اور قرآن حکیم سن کر شدید متاثر ہوا اس پر ابوجہل نے اس کو بھی آپ کی مالی حیثیت سے مرعوب ہونے کا طعنہ دیا۔ گویا اس قسم کی مالی حیثیت سے آپ نے دعوت کا آغاز کیا مگر جب تیرہویں برس آپ نے مدینہ ہجرت کی تو آپ کے پاس کچھ نہ تھا حتیٰ کہ حضرت ابوبکرؓ سے قرض لے کر سامان سفر درست کیا۔ (27)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیار کردہ جماعت کے اندر بھی قربانی کا یہی بے لوث جذبہ تھا، اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ انصار جنہوں نے اسلام کے لیے بے پناہ قربانیاں دی تھیں اور اسلام کے بے یار و مددگار قافلہ کو اس

وقت پناہ دی جب کہ انہیں اپنے وطن سے نکلنے پر مجبور کر دیا گیا تھا، اس کے باوجود (رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد) اس فیصلہ پر راضی ہو گئے کہ اقتدار میں ان کا کوئی حصہ نہ ہو اور خلیفہ صرف قریش میں سے منتخب کیا جائے ،اس میں شک نہیں کہ اس کے پیچھے بہت گہری (اور معروضی) مصلحت تھی کہ قریش سینکڑوں سال سے عرب کے قائد بنے ہوئے تھے ، ایسی حالت میں اگر کسی غیر قریشی کو خلیفہ مقرر کیا جاتا تو اس کے لیے اجتماعی نظم سنبھالنا ناممکن ہو جاتا۔ یہ انصار کی حقیقت پسندی تھی کہ انہوں نے اپنی اس کمی کو جانا اور یک طرفہ فیصلہ پر راضی ہو گئے تاہم یہ حقیقت پسندی کی اتنی نایاب قسم ہے کہ اس کی دوسری مثال تاریخ میں نہیں ملتی ۔(28)

الحاصل اجتماعی تبدیلی اور سماجی اصلاح کے لیے کوشاں افراد اسی صورت میں اعلیٰ مقاصد حاصل کر سکتے ہیں جب ان کے دل میں نہ صرف اقتدار کے جذبات موجود نہ ہوں بلکہ وہ اجتماعی تبدیلی کے تقاضوں کا گہرا شعور اور اس پر عملدرآمد کی صلاحیت کے حامل ہوں۔

6۔ سماجی تشکیلِ نو کے لیے قیادت کی ناگزیریت:

قرآنی سیاست کے مطابق سماجی تشکیلِ نو کے لیے قوتِ رہنمائی ان لوگوں میں مرکوز ہوتی ہے جو قرآن سب سے زیادہ جانتے ہیں اور سابقین اولین یعنی رسول اکرم ﷺ کی تربیت یافتہ جماعت کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ جماعت اپنے امور کے انتظام و انصرام کے لیے اپنے میں سے ایک شخص کو بڑا مان لیتی ہے اور اسے اپنا امیر قرار دے لیتی ہے، یہ امیر ان میں قانون الٰہی کے تحت انتظام کرتا ہے لیکن انتظام کی تمام طاقت حقیقت میں خود اس جماعت کے پاس رہتی ہے۔ امیر ان کے مشورے ہی سے کام کرتا ہے چنانچہ قرآن حکیم میں ہے : وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ 29 ()''ان سے تمام معاملات میں مشورہ کریں اور جب آپ (اس مشورے کے مطابق) پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر بھروسہ کریں''۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہے وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ ۖ (30) ''مسلمان اپنے تمام معاملات میں باہمی مشورے سے کام کرتے ہیں''۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے ہر اہم معاملہ میں اپنی جماعت سے مشورہ کیا اور کئی ایک مواقع پر اپنی رائے پر دوسروں کی رائے کو ترجیح دی۔(31)

الغرض سماج میں مکمل تبدیلی کے عمل کی رہنمائی کے لیے باصلاحیت قیادت کا ہونا ناگزیر ہے، چنانچہ رسول اکرم ﷺ کو بھی چالیس سال کی عمر میں اس وقت ذمہ داری سونپی گئی جب آپ کی عمدہ شہرت چار سو پھیل چکی تھی اور آپ کی بصیرت و معاملہ فہمی ، امانت اور راست گوئی اور حسن خلق کا چرچا تھا اور آپ نے گلہ بانی اور تجارت جیسے معاشرتی و معاشی امور کا تجربہ حاصل کر لیا تھا۔ ذیل میں اہم مراحل کا ذکر ہے جن کے ذریعے آپ میں رسالت کی ذمہ داری کے لیے عملی رسوخ پیدا کیا گیا اور قیادت کی صلاحیت کو جلا بخشا گیا۔(32)

۱۔ انتظامی مہارت:

رسول اکرم ﷺ نے اپنی نوجوانی کی عمر میں بکریوں کی دیکھ بھال کی، چنانچہ آپ بکریاں لے کر چراگاہ کی طرف نکل جاتے اور طبعی ماحول میں زندگی گزارتے۔اس دوران آپ کی نظر اللہ کے تخلیق کردہ عجائبات پر پڑتی جن میں کسی انسانی ہاتھ کا عمل دخل نہیں تھا۔آپ پورا دن بکریوں کے ساتھ رہتے اور اس دوران جو بکری ریوڑ سے علیحدہ ہوجاتی، اسے ریوڑ میں واپس لاتے ، اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتے اور اسے ظلم پیشہ بھیڑیئے سے بچاتے نیز بکریوں کو خشک زمین اور بیاباں جگہوں سے زرخیز مقامات کی جانب لے جاتے غرض یہ کہ آپ کا طرزِ عمل ایک ہمدرد اور نیکوکار ماہر قائد کی مانند ہوتا۔

۲۔ تدبر و تفکر:

بعثت سے چند سال قبل آپ کو خلوت نشینی بھلی معلوم ہونے لگی، چنانچہ آپ غارِ حرا کی جانب نکل جاتے یہاں خلوت نشین ہوکر اپنے آپ کو فاسد معاشرے کے اندر پیدا ہونے والے امراض جیسے کینہ، حسد، بغض اور کھوٹ سے دور رکھتے، بت پرستی کے گلا گھونٹ دینے والے ماحول سے علیحدہ رہ کر اپنی روحانی پاکیزگی حاصل کرتے اور اس شہر کی فضاء سے پرہیز کرتے جہاں کمزور پسماندہ افراد پر اقتدار کے نشے میں چور لوگوں کا تسلط تھا۔

یہ خلوت نشینی اس حوالہ سے آپ کے لیے ضروری تھی کہ آپ نے مستقبل میں قیادت سنبھالنی تھی، اختیارات آپ کے پاس آنے والے تھے اور آپ کی ہر بات فیصلہ کن بننے والی تھی، لہٰذا یہ لازمی تقاضہ تھا کہ آپ کا دل معاشرہ میں موجود ہر قسم کے حسد، کینہ اور کھوٹ کے گرد و غبار سے بالکل صاف رہے تاکہ آغاز ہی سے انسانیت کے لیے رحمت و رأفت کا پیکر ثابت ہوں اور اپنے عوام سے تشدد و طاقت کی بجائے ہمدردی اور نرم خوئی سے معاملات طے کریں۔

۳۔ کاروباری تجربہ:

بعثت سے قبل کئی سال رسول اکرم ﷺ تجارت میں مشغول رہے جس سے آپ کو لوگوں کے ساتھ لین دین کے سلسلے میں کافی تجربہ حاصل ہوا اور آپ کی امانت، سچائی اور اخلاص جیسی صفات معاشرہ پر آشکارا ہوئیں اس پر مستزاد یہ کہ تجارت میں نفع کی صورت میں آپ کی کاروباری مہارت بھی نمایاں ہوئی۔

آپ نے بارہ سال کی عمر میں اپنے چچا ابوطالب کے ہمراہ شام کا سفر کیا پھر حضرت خدیجہؓ کے کاروبار کے سلسلے میں دوبارہ شام جانا ہوا جب کہ آپ کی عمر پچیس سال تھی۔ آپ وہاں کچھ عرصہ رہے جس سے آپ کے مشاہدات میں اضافہ ہوا۔ ذہنی افق کو عملی وسعت ملی، ممالک کے حالات سے آگاہی ہوئی اور وہاں کے لوگوں کی اہل مکہ کے عادات و اطوار سے مختلف عادات کا مشاہدہ کیا۔ یہ تعارف و آگاہی ایک ناگزیر ضرورت تھی کیوں کہ آپ

www.rahimia.org

صرف اہل حجاز کے رسول اور لیڈر ہی بننے والے نہیں تھے بلکہ تمام انسانیت کے رسول اور قائد ہونے والے تھے۔

۴۔ خود اعتمادی:

جب بعثت کا وقت قریب آیا اور آپ کو فریضۂ رسالت اور منصب قیادت سونپا جانے لگا تو آپ کو سچے خواب آنے لگے کہ آپ کوئی بھی خواب دیکھتے، اس کی تعبیر صبح صادق کی مانند واضح ہوجاتی، ان سچے خوابوں سے آپ کی خود اعتمادی میں اضافہ ہوتا بالخصوص اس دور میں جب کہ لوگوں کی زندگی اور عام معمولات تک میں خوابوں کا ایک اہم کردار تھا۔

۵۔ خدمت انسانیت:

چونکہ آپ نے دکھی انسانیت کا سہارا اور جہانوں کے لیے پیکر رحمت بننا تھا، اس لیے آپ قبل از بعثت ہی انسانی فلاح وبہبود کے لیے سرگرم عمل رہے چنانچہ غارِ حرا میں آپ پر جب پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ متفکر حالت میں گھر واپس آئے اور اپنی جان کے بارے میں اندیشہ ظاہر کرنے لگے تو حضرت خدیجہؓ نے جن الفاظ میں آپ کو تسلی دی اس سے آپ کے کمزور اور مستضعفین کے ساتھ گہرے تعلق پر روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ آپ کی شریک حیات نے فرمایا ''ہرگز نہیں بخدا اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، آپ رشتہ داروں کے حقوق ادا کرتے ہیں، کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، بے روزگاروں کو کمانے لائق بناتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصیبت کے وقت لوگوں کی مدد کرتے ہیں''۔(33) گویا آپ ان صفات کی بدولت مستقبل کی قیادت کے لیے موزوں اور رسالت کے اہل ہیں لہٰذا آپ کو کسی اندیشے کی ضرورت نہیں۔

بعد ازیں بین الاقوامی انقلاب کے لیے ضروری تھا کہ رسول اکرم ﷺ اپنی قوم کو تعلیم دے کر انقلاب کی لیڈرشپ تیار کریں جو آپ کی جانشین ہوسکے، چنانچہ ان کے لیے شب کے آخری حصہ میں خصوصی تعلیم کا اہتمام کیا گیا (34) کیوں کہ دن بھر کی مشقت کے بعد ایسے محنت کش اور نفس کش لوگ ہی خصوصیت کے ساتھ اس وقت جمع ہو سکتے ہیں، جنہیں قرآن حکیم سے خصوصی رغبت ہوگی اور اجتماع وفکر سے روکنے والے امور پر غالب آنے کی قدرت رکھتے ہوں گے اور ظاہر ہے کہ جس شخص میں نفس کشی کی یہ نفسیاتی حالت پیدا ہوجائے گی، وہ قرآن حکم کا کام پوری ذمہ داری سے کرے گا۔(35)

7۔ سماجی تشکیلِ نو کے لیے موزوں طریقۂ کار کا تعین:

سماجی تشکیلِ نو اور اجتماعی تبدیلی روبہ عمل لانے کے لیے کیا طریقۂ کار ہونا چاہیے؟ اس سوال کے حوالہ سے جب سیرت نبویؐ کا جائزہ لیا جائے تو اس پر سیرت نگار متفق نظر آتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے تین سال تک اپنی دعوت کو خفیہ رکھا جس میں آپ اپنے اہل خانہ، اقارب و رشتہ دار اور خصوصی احباب اور جن میں قبول حق کی

استعداد محسوس کرتے دعوت دیتے تھے، گویا دعوت انقلاب کی جدوجہد کے سلسلے میں آپ کے یہاں وہی فطری ترتیب نظر آتی ہے جو کسی نئے ماحول میں ایک داعی کو اختیار کرنی چاہیے، جس کی رو سے ابتداء میں چنیدہ افراد پر کام کرنا ضروری ہے۔ معروف مؤرخ ابن اسحاق کی روایت ہے کہ بالکل ابتدائی دور میں رسول اکرم ﷺ اور ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ نماز پڑھ رہے تھے کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ آ گئے تو انہوں نے اس موقع پر اس بابت دریافت کیا آپ نے فرمایا یہ اللہ کا دین ہے جسے اس نے اپنے لیے منتخب کیا اور اس کی تبلیغ کے لیے اپنے رسول بھیجے، میں تم کو ایک اللہ کی طرف بلاتا ہوں، اس کا کوئی شریک نہیں۔ تلقین کرتا ہوں اور یہ کہ تم لاَت اور عُزّیٰ (مشرکین کے مقدس معبودوں) کو ماننا چھوڑ دو۔ حضرت علی نے کہا میرے لیے یہ بالکل نئی بات ہے جو پہلے سننے میں نہیں آئی اور اس سلسلے میں اپنے والد ابو طالب سے مشورے کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا، آپ نے اس امر کو مناسب نہ سمجھا کہ اعلان نبوت سے قبل یہ راز آشکارا ہوجائے۔ آپ نے فرمایا: اے علی! اگر تم اسلام نہیں لاتے ہو تو اس معاملہ کو پوشیدہ رکھو، حضرت علی رات تک گومگو کی حالت میں رہے یہاں تک کہ اللہ نے ان کے قلب میں اسلام جاگزیں کردیا اور صبح ہوتے رسول اکرم ﷺ کے پاس آئے، آپ سے کل کی دعوت کے کلمات دہرانے کا تقاضہ کیا۔ آپ نے وہ کلمات دوبارہ بتائے، حضرت علی نے بھی ان کا اقرار کیا، بعد ازیں آپ کے پاس چھپ چھپ کر آتے رہے اور کسی پر اپنے اسلام کو ظاہر نہیں کیا۔

اسی طرح اوس وخزرج کے ابتدائی مسلمان جب موسم حج کے بعد مکہ سے یثرب واپس ہوتے تو آغاز میں ان کا طریقہ بھی یہی تھا کہ محتاط طور پر دعوتی کام کرتے رہے۔(36)

اس مرحلے میں براہِ راست انفرادی رابطے ہوتے تھے، اس میں بالمشافہ گفتگو کے ذریعہ سوالات کے جوابات اور اعتراضات کی تشفی کرائی جاتی جس سے بھائی چارہ، باہمی تعاون اور تبلیغ رسالت پر مبنی ایک جماعت کی تشکیل میں مدد ملی۔ جس نے آپ کی دعوت کو عام کرنے میں آپ کا ہاتھ بٹایا یہاں تک کہ سبقت کرنے والے اولین افراد (السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ) کی تعداد چالیس سے زائد ہوگئی پھر آپ کو اس بات کا مکلف بنایا گیا فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ (37) علی الاعلان دعوت دیں اور باطل نظریات پر تنقید کریں، مگر مشرکین سے اعراض برتیں یعنی الجھنے سے بچیں۔

اس کے ساتھ ہی دعوت کا دوسرا مرحلہ شروع ہوا جو دس سال تک مکہ و بیرون مکہ جاری رہا جس میں عدمِ تشدد پر کار بند رہتے ہوئے اعلانیہ دعوت دی گئی اور انفرادی رابطے بھی جاری رہے۔ اسی دوران آپؐ نے صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہو کر مقامی قبائل کو اسلام کی دعوت دی اور اس کے دنیوی و اخروی فلاحی نتائج سے آگاہ کیا۔ (38) اسی طرح موسم حج میں آنے والے بیرونی وفود تک اپنی بات پہنچائی نیز اہل طائف اور مدینہ کے قبائل اوس وخزرج تک دعوت کا سلسلہ دراز ہوا۔(39) اس دوران آپؐ کی سب سے بڑی دلیل جس سے آپؐ مخاطبین کو اپنی رسالت

کے لیے قائل کرتے تھے، قرآن حکیم تھا جس نے دنیا کو چیلنج کر رکھا ہے کہ نہ صرف عربی فصاحت و بلاغت بلکہ عالمگیر حقائق ونظریات کے حوالہ سے اس کی کسی سورہ جیسی کوئی سورت بنا کر تو دکھائے۔(40)

نیز آپؐ نے ارشاد خداوندی کے مطابق کفار کے بیہودہ اور لایعنی سوالات واعتراضات پر ہمیشہ وسیع النظر فی، صبر وتحمل اور وقار و، متانت کا مظاہرہ کیا تاہم اہم اور مفید سوالات کا تسلی بخش جواب بھی دیا، اس کے علاوہ آپؐ نے ہمیشہ اپنے مخاطب کے ذہنی اور معاشرتی پس منظر کو مدنظر رکھ کر گفتگو کی جس سے شعوری تبدیلی کے عمل نے ترقی کی۔

8۔ مزاحمت کی جوابی حکمت عملی کے خدوخال:

آپؐ کی دعوت کا قریش کے بالائی طبقہ اور سماج دشمن عناصر میں شدید ردعمل ہوا۔انہوں نے ذہنی اذیت سے جسمانی تکالیف تک کے تمام حربے اختیار کیے۔ان کی اس مزاحمت کے جواب میں رسول اکرم ﷺ نے درج ذیل طریقے اختیار کیے:

1۔ آپ ﷺ کی ممتاز صفات، اعلیٰ کردار اور باوقار طرز عمل نے دشمنوں کے دلوں تک میں آپ ﷺ کا احترام جاگزیں کیا مثلاً امانت، راست گوئی، بہادری، عفو و درگزر، صبر وتحمل، فصاحت و بلاغت، ایفاء عہد، حیا، عدل اور تواضع وغیرہ۔

2۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے غلبہ اور آخرت میں ابدی کامیابی کا جو سچا وعدہ کیا تھا، آپ ﷺ اس سے اپنے مخاطبین کو آگاہ کرتے جس سے صحابہ کے دلوں میں خود اعتمادی کو جلا ملتی جب کہ مخالفین کے حوصلہ پست ہوتے اور آپؐ کی قوت ارادی سے ان کی صفوں میں پریشانی بڑھ جاتی۔

3۔ مخالفین کو کھلا چیلنج دیا گیا کہ وہ قرآن حکیم کے کسی حصے کا متبادل پیش کریں مگر اس چیلنج کو باوجود بسیار کوشش کے وہ قبول نہ کر سکے۔

4۔ تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ کی مادی و روحانی تائید آپؐ کو اور آپؐ کی جماعت کو حاصل رہی۔مثلاً واقعہ اسراء ومعراج جس کے سبب آپؐ کی حیثیت محض مصلح یا تاریخی شخصیت کی نہیں رہ جاتی بلکہ رسول کی بالاو برتر حیثیت واضح ہوتی ہے۔

5۔ آپؐ اور آپؐ کی جماعت مکہ مکرمہ میں تیرہ سال تک عدم تشدد پر سختی سے کاربند رہی تا آنکہ مطلوبہ تیاری مکمل ہوگئی۔یہ اس تیاری ہی کی برکت ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد سے سماجی تشکیلِ نو کی قرآنی تحریک متعدد نشیب وفراز سے گزرنے کے باوجود اب تک زندہ ہے۔

آپ نے اپنی پوری زندگی میں شدت سے اس امر کا اہتمام رکھا کہ کوئی اقدام اس کی مطلوبہ تیاری سے قبل نہ کیا جائے، ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب رسول اکرم ﷺ کے ساتھ اڑتیس صحابہؓ جمع ہوگئے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آپ سے ''ظہور'' کے لیے اصرار کیا یعنی تبلیغ حق کے لیے اعلانیہ اقدام کیا جائے مگر آپ کا جواب تھا

کہ ''اے ابوبکرؓ! ابھی ہم تھوڑے ہیں'' اسی طرح نبوت کے چھٹے سال جب حضرت عمرؓ اسلام لائے تو انہوں نے آپؐ سے کہا ''اے خدا کے رسول ﷺ ہم کیوں اپنے دین کو چھپائیں جب کہ ہم حق پر ہیں اور اس کے برعکس دوسروں کا دین نمایاں ہے حالانکہ وہ باطل پر ہیں''۔ آپؐ نے انہیں جواب دیا ''اے عمرؓ! ابھی ہم تھوڑے ہیں'' آپ کا یہی انداز مسلسل جاری رہا یہاں تک کہ ہجرت کے بعد جب اسلامی طاقت ایک جگہ منظم اور مرتکز ہوگئی تو اس وقت جوابی مزاحمت کی اجازت دی گئی۔ (41) گویا اہل اسلام کے لیے عملی اقدام کا وقت وہ ہوتا ہے جب وہ اس پوزیشن میں آجائیں کہ اپنے اقدام سے اسلام کے لیے نیا اور بہتر مستقبل پیدا کرسکتے ہوں، اس سے پہلے عملی اقدام درست نہیں۔

یہی سبب ہے کہ مکہ میں آپؐ کو اور آپؐ کے صحابہؓ کو پیش آنے والے ہولناک واقعات کے باوجود کوئی جوابی اقدام نہیں کیا گیا خواہ حضرت سمیہؓ کی برچھی سے شہادت کا سانحہ ہو۔ حضرت بلالؓ بن رباح، حضرت خبابؓ بن الارت، حضرت مصعب بن عمیرؓ وغیرہ کے ساتھ وحشیانہ سلوک کا معاملہ ہو۔ اسی طرح آپؐ کے گھر غلاظت پھینکنے کا واقعہ ہو۔ گردن مبارک پر چادر ڈال کر گلا گھونٹنے کی کوشش ہو اور سجدے کی حالت میں اونٹ کی نجاست بھری اوجھڑی ڈالنے کے تکلف دہ لمحات ہوں یا طائف میں پتھروں کی بارش سے لہولہان ہونے اور معاشی و معاشرتی بائیکاٹ جیسے دہلا دینے والے مراحل ہوں، آپ نے نہ صرف خود انتہائی برداشت سے کام لیا بلکہ اپنے صحابہؓ کو بھی صبر ہی کی تلقین کی حالانکہ بعض صحابہ جیسے عبد الرحمن بن عوف، قدامہ بن مظعون، مقداد بن اسود اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم چاہتے تھے کہ جوابی اقدام کی اجازت ہو لیکن آپؐ نے قبل از قت اجازت نہیں دی اور اس طرح اپنے صحابہؓ کو تربیت کے مراحل سے گزار کر ایک لڑی میں پروتے اور جماعت سے منسلک کرتے رہے۔ (42) اور پھر اس تربیت یافتہ عنصر کے ساتھ یثرب سے آنے والے ایثار شعار متلاشیانِ حق شامل ہوئے تو سماج کی تشکیلِ نو کے عملی مرحلہ کے آثار نمودار ہوئے، چنانچہ ہجرت مدینہ کے بعد مواخات و میثاق کے ذریعہ سماج کی تشکیلِ نو کے عملی اقدامات کی طرف پیش رفت ہوئی، اور ان کی تکمیل کا اعلان حجۃ الوداع (10 ہجری) کے موقع پر ہوا۔

موجودہ زمانہ میں بھی اسلام کے اصولوں اور اقدار کے غلبہ کے لیے ایسی تربیت یافتہ قائدانہ اجتماعیت ہی کی کاوشیں درست سمت میں بروئے کار آسکتی ہیں جو شعوری طور پر گزشتہ ہزار سالہ تاریخ کی وارث ہو، جو اس بات کا عرفان کامل رکھتی ہو کہ گزشتہ ہزار سالہ دور میں مسلم مفکرین، مجددین، مصلحین اور حکماءؒ فقہاء و حکام و قضاۃ نے دور کے تقاضوں کو کس طرح سمجھا اور متوازن حکمت عملی اپنائی اور اس ہزار سالہ عمل کے نتیجے میں خدا نے اسلام کے لیے کیا کیا موافق حالات پیدا کیے اور کن حکمتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہیں اسلام کے حق میں استعمال کیا جاسکتا ہے اور جن کا وجود اور اسلام کا غلبہ ثانی دونوں اس طرح ایک ہوجائیں کہ بظاہر ایک کو دوسرے سے جدا نہ کیا جاسکتا ہو ایسی اجتماعیت کے بغیر عالم اسباب میں اسلام کے غلبہ یعنی کامل سماجی تشکیلِ نو وہمہ گیر اخلاقی اصلاح کی کوئی اور صورت نہیں ہے۔

حوالہ جات وحواشی

1۔ عبیداللہ سندھی، مولانا، قرآنی شعورِ انقلاب، لاہور: مکی دارالکتب، ص125

2۔ عبیداللہ سندھی، مولانا، قرآنی جنگ انقلاب (ترتیب شیخ بشیر احمد لدھیانوی)، گوجرانوالہ: مکتبہ حنفیہ اردو بازار، ص8-10

3۔ سورۃ النسا، 79

4۔ سورۃ الانبیائ، 107

5۔ سورۃ سباء، 28

6۔ سورۃ النور 55، سورۃ فصلت 30

7۔ عبیداللہ سندھی، مولانا، قرآنی شعورِ انقلاب، ص45

8۔ وحیدالدین خان، پیغمبر انقلاب، لاہور: امجد اکیڈمی، 1983ئ، ص124 -122

9۔ سورۃ الانفال، 64

10۔ سورۃ التوبہ، 88

11۔ عبیداللہ سندھی، مولانا، قرآنی دستور انقلاب، لاہور: ادارہ نشریات اسلام، اردو بازار، ص61

12۔ ۔۔۔۔ایضاً۔۔۔۔۔، ص17-16

13۔ عبیداللہ سندھی، مولانا، قرآنی دستور انقلاب، ص64

14۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، کراچی: قدیمی کتب خانہ، ج1، ص162

15۔ الترمذی، محمد بن عیسیٰ، ابوعیسیٰ، الجامع، کتاب الدعوات، باب لیسأل احدکم ربہ حاجتہ کلھا، امام ترمذی نے حدیث متصل مرفوع کو غریب قرار دیا ہے جب حدیث مرسل کو اس کے مقابلہ میں صحیح قرار دیا ہے۔

16۔ سورۃ الروم، 60

17۔ سورۃ ابراہیم، 12

18۔ وحیدالدین خان پیغمبر انقلاب، ص111

19۔ ۔۔۔۔۔ایضاً۔۔۔۔۔، ص60

20۔ عبیداللہ سندھی، مولانا، قرآنی دستور انقلاب، ص12

21۔ ابن قیم الجوزیہ، محمد، ابوعبداللہ، زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، کراچی: نفیس اکیڈمی، ج2، ص72

22۔ سورۃ طہ، 72

23۔ احمد التاجی، سیرۃ النبی العربی، ج1، ص79، بحوالہ سیرۃ ابن ہشام

24۔ سورۃ یونس، 72

25۔ سورۃ ھود، 29

www.rahimia.org

26۔ سورۃ یٰسین، 21

27۔ وحید الدین خان، پیغمبر انقلاب، ص119

28۔ ۔۔۔۔۔ایضاً۔۔۔۔۔ص193

29۔ سورۃ آل عمران، آیت 159، امام ابوبکر جصاص رازی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے لیے ضروری تھا کہ آپ اپنے ساتھیوں سے ان معاملات میں مشورہ کریں جن میں کوئی صریح حکم موجود نہیں تھا پھر آیت میں عزیمت یعنی پختہ ارادہ کا ذکر مشاورت کے بعد آیا ہے یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں وہ عزیمت مراد ہے جو مشاورت سے پیدا ہو (الجصاص، احمد بن علی، ابوبکر الرازی، احکام القرآن، مصر: المطبع البہی، ج2، ص50) یہی وجہ ہے کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے رسول اللہؐ سے دریافت کیا کہ ''عزم'' سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے فرمایا جو لوگ مشورہ دینے کے قابل ہوں، ان سے رائے لے کر ان کی رائے کی پیروی کرنا۔ (ابن کثیر، اسماعیل، تفسیر القرآن العظیم، بیروت: دار الاندلس للطباعۃ والنشر، ج2 ص، 431)

30۔ سورۃ الشوریٰ، 38

31۔ غزوہ بدر سے قبل لشکر کے پڑاؤ کے سلسلے میں اپنی رائے پر رسول اکرم ﷺ نے حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کے رائے کو ترجیح دی، غزوہ احد میں آپ کی رائے مدینہ کے اندر رہ کر لڑنے کی تھی لیکن اکثر نوجوان صحابہؓ کی رائے باہر نکل کر جنگ کرنے کی تھی، چنانچہ آپؐ نے اسی رائے کو اختیار کرلیا، اسی طرح غزوہ خندق سے قبل آپؐ بنو قریظہ سے جنگ سے دستبردار ہونے کی صورت میں مدینہ کی ایک تہائی فصل دینے کے معاہدہ کرنے پر غور کر رہے تھے لیکن انصار کی رائے اس کے خلاف تھی، آپ نے اسے ہی اختیار کرلیا۔ (مصطفی السباعی، ڈاکٹر، السیرۃ النبویہ دروس وعبر، صفحات 100، 104، 112)

32۔ ان میں سے بعض مراحل کا ذکر ڈاکٹر قلعہ رواس قلعہ جی نے اپنی کتاب ''قراۃ جدید للسیرہ النبویہ'' میں کیا ہے۔ (ڈاکٹر محمود سامی القاسم و ڈاکٹر محمد بن عبد اللہ البراعی، منہج فی التغیر الاجتماعی دراستقارنۃ، مجلۃ الدراسات الاسلامیہ، ج24، العدد 3، یولیو۔ستمبر 1989ء، اسلام آباد، مجمع البحوث الاسلامیہ، ص15-12)

33۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، ابوعبد اللہ، امام، صحیح بخاری، باب کیف کان بدأ الوحی

34۔ سورۃ المزمل، 1 تا4، 20

35۔ عبید اللہ سندھی، مولانا، قرآنی دستور انقلاب، ص26

36۔ وحید الدین خان، پیغمبر انقلاب، ص116

37۔ سورۃ الحجر، 94

38۔ احمد التاجی، سیرۃ النبی العربی، مصر: مطبعہ مصطفی الحلبی، طبع اول 1398ھ/ 1978ئ، ص192

39۔ مصطفی السباعی، ڈاکٹر، السیرۃ النبویہ دروس وعبر، بیروت: دار القرآن الکریم، طبع اول 1404ھ/ 1984ء، ص82

40۔ سورۃ البقرہ، 23، سورۃ یونس، 28-27

41۔ وحید الدین خاں، پیغمبر انقلاب، ص 116,117

42۔ سید محمود آلوسی بغدادی، روح المعانی فی تفسیر القرآن و السبع المثانی، ملتان: مکتبہ امدادیہ، ج 3، ص 58

☆☆☆☆

مطالعہ سیرت صحابیاتؓ

اسلام کے عہد اول میں خواتین کا کردار

از: مولانا محمد ناصر

قبل از اسلام خواتین کی سماجی حیثیت:

سماج میں عورت کی حیثیت و کردار کا درست تعین تاریخ انسانیت میں ہمیشہ ہی اہمیت کا حامل رہا ہے، اسلام سے قبل عورت کا مقام ٹھیک طور پر متعین کرنا بہت مشکل ہے، کیوں کہ اس دور میں متضاد قسم کے واقعات ہمارے سامنے آتے ہیں، ایک طرف ایام العرب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت خاندان اور قبیلہ میں کافی اثر رکھتی تھی۔ قبیلوں کے درمیان جنگ کی حالت میں اس کی رائے اور مشورے کو مناسب اہمیت دی جاتی تھی اور خیمہ کے اندر تو وہ پورے طور پر حاکمانہ اقتدار کی مالک تھی اور دوسری طرف یہ حالت تھی کہ بسا اوقات لڑکی کی پیدائش کو باعث ننگ اور موجب عار خیال کیا جاتا تھا۔ عورت کو کبھی تو بعض معاشروں میں دیو مالائی حیثیت کے ساتھ نمایاں مقام حاصل رہا اور کبھی اسے معاشروں کے تاریک اور اندھے کنویں میں گرادیا گیا، اس حوالہ سے جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو دونوں قسم کے واقعات تاریخ کے دامن میں ہمیں ملتے ہیں۔

مؤرخین عورت کے حوالہ سے تاریخ کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں، ایک مادرانہ یا مادر سری نظام اور دوسرا پدرانہ معاشرہ۔ یعنی تاریخ میں ایک زمانہ ایسا گزرا ہے، جس میں عورت کو مرد کی بالادستی اور معاشرہ میں ممتاز مقام حاصل تھا اور دوسرا درجہ وہ ہے جس میں مرد کو عورت کی بالادستی حاصل ہوگئی۔ (1)

عورت اور مذاہب عالم:

قدیم معاشروں میں عورت کے بارے میں مذاہب کا رویہ بھی کم و بیش وہی تھا جو اوپر ذکر ہوا۔

عورت ''یہود'' کی نظر میں:

یہودیت میں ایسے فرقے موجود رہے ہیں، جو عورتوں سے دور رہتے تھے اور ان کی آبادیاں صرف مردوں

کے لئے مخصوص تھیں۔ یہودیوں نے شادی بیاہ کے جو اصول بتائے تھے، ان میں سے اہم یہ تھے، غیر یہودیوں سے شادی ممنوع، مخصوص حالات میں عورتوں کو علیحدہ رکھنا، ایک سے زیادہ شادی کرنا برا ہے، عورتوں کے لئے ایک یہودی ربی کا کہنا تھا کہ:

''عورت کو خاموشی سے خدمت گزاری سیکھنا چاہئے، اسے پڑھانا نہیں چاہئے، اس کی مغفرت صرف اس میں ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کرے''۔(2)

عورت ''عیسائیت'' کی نظر میں

یہودیت کی طرح یہی صورت حال عیسائیت میں رہی، عیسائیت نے ایک زمانہ تک عورت پر یہ کہہ کر مظالم ڈھائے کہ جادوگری کا اصل محور عورت ہے، چنانچہ یورپ میں جادوگرنیوں کی آڑ میں عورت کے خلاف زبردست مہم چلائی گئی اور دلیل یہ دی گئی کہ شیطان جب انسانی شکل اختیار کرتا ہے تو بوجوہ وہ ایک مکمل انسان نہیں بن سکتا، بلکہ اس میں کئی کمزوریاں اور انسانی نقائص ہوتے ہیں تو انسانوں میں اس کی شبیہ یہ عورت ہی ہوسکتی ہے کوئی اور نہیں، گویا عورت اور شیطان ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں، یورپ میں جادوگرنیوں کے خلاف مہم نے سماجی افکار اور مفکرین پر اتنے گہرے اثرات ڈالے کہ شاعروں اور ادیبوں نے اسے موضوعِ سخن بنایا، چرچ کے اس غلط کردار کی وجہ سے انسانی معاشرہ کے ایک اہم حصہ کو عضو معطل بنا دیا گیا۔ عورت کو کڑی سزاؤں کا سامنا کرنا پڑا، قید تنہائی اور پھانسی کے پھندے پر جھولنا پڑا۔ یوں ہر معاملہ میں عورت کو کم تر درجہ دیا گیا۔ کرنتھیوں کے نام ''پولس رسول'' کے پہلے خط میں درج ہے:

''پس فرشتوں کے سبب سے عورت کو چاہئے کہ اپنے سر پر محکوم ہونے کی علامت رکھے''۔(3)

اسی طرح عیسائیت نے عورت کے بارہ میں یہ غلط عقیدہ بنا لیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالنے کی ذمہ دار تھی، عیسائیت میں عورتوں کو بہکانے والی کی نظر سے دیکھا گیا جو کہ آدم کے ہبوط (جنت سے نکالے جانے) کی ذمہ دار تھی اور وہ دوسرے درجہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس بابت انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے الفاظ ہیں:

They were regarded as temptresses, responsible for the fall of Adam, and as second class human beings. (4)

عورت قدیم یونان کی نظر میں:

قدیم یونان کے حالات کے بارہ میں ہمیں یہ معلومات فراہم ہوتی ہیں:

Women's status had degenerated to that of childbearing slaves. Wives were secluded in their homes, had no educaion

and few rights, and were considered by their husbands no better then chattel. (5)

عورت کا مرتبہ اتنا گرا دیا گیا تھا کہ اس کی حیثیت بچہ پالنے والی غلام کی سی ہو کر رہ گئی تھی، عورتوں کو ان کے گھروں میں بند کر دیا گیا تھا، وہ تعلیم سے محروم تھیں، ان کا کوئی حق نہ تھا، ان کے شوہر ان کو بس گھر کے سامانوں میں سے ایک سامان سمجھتے تھے۔

ازمنہ قدیم میں عورت کے ساتھ ناروا سلوک کی وجہ عموماً وہی تھی جو دیگر اُمور میں قدیم انسان کے یہاں پائی جاتی ہے۔ اور وہ ہے توہماتی عقائد۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ قدیم زمانہ میں ہر معاملہ میں انسان نے کوئی نہ کوئی بے بنیاد عقیدہ قائم کر لیا تھا۔ یہی بے بنیاد عقائد ان قدیم لوگوں کے لئے مذہب کی حیثیت رکھتے تھے اور انہوں نے سارے انسانی تعلقات اور معاملات کو غلط رُخ دے رکھا تھا۔ ان کے گمراہ کن عقائد کا شکار عورت بھی ہوتی تھی، مثلاً قدیم یونانیوں نے عورت کے بارہ میں عجیب وغریب طور پر یہ عقیدہ بنالیا تھا کہ اس کے منہ میں کم دانت ہوتے ہیں۔ برٹرینڈ رسل نے اس کا مذاق اُڑاتے ہوئے لکھا:

Aristotle maintained that women had fewer teeth than men; although he was twice married, it never occurred to him to verify this statement by examining his wires mouth. (6)

عورت قدیم روم کی نظر میں

قدیم یونان سے ملتی جلتی حالت قدیم روم میں تھی۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں درج ہے:

In ancient Rome, a woman's legal position was one of complete sub-ordination, first to the power of her father or brother and later to that of her husband, who held paternal power over his wife. In the eye of the law, women were regarded as imbeciles. (7)

قدیم روم میں ایک عورت کی قانونی حیثیت کامل محکومی تھی، اولاً وہ اپنے باپ یا بھائی کی محکوم ہوتی تھی اور بعد کو اپنے شوہر کی، شوہر کو اپنی بیوی کے اوپر پدرانہ اختیار حاصل ہوتا تھا، قانون کی نظر میں عورت ضعیف العقل شمار ہوتی تھی۔

عورت قدیم ہندوستان کی نظر میں

www.rahimia.org

دہلی ہائی کورٹ کے ریٹائرڈ چیف جسٹس مسٹر راجندر سچر نے اسلام کو عورت کے حقوق کا لحاظ کرنے والا دین قرار دیتے ہوئے ہندوستان کے حوالہ سے کہا:

Historically Islam has been very liberal and progressive in granting property rihgts to women. The fact is that there were no property rights to Hindu women until 1956 when the Hindu Code Bill was passed whereas Islam had granted these rights to Muslim women over 1400 years ago. (8)

تاریخی طور پر اسلام عورتوں کو جائداد کے حقوق دینے میں بہت زیادہ فراخ دل اور ترقی پسند رہا ہے، یہ حقیقت ہے کہ 1956ء میں ''ہندو کوڈ'' بل بننے سے پہلے ہندو عورتوں کا جائداد میں کوئی حصہ نہ تھا، جب کہ اسلام مسلم عورتوں کو یہ حقوق 1400 سو سال پہلے دے چکا تھا۔

گویا یہودیت اور عیسائیت کی طرح ہندومت میں بھی عورت کے حقیقی مقام کو نظر انداز کیا گیا، جس دور کو مادرانہ دور کہا جاتا ہے، اس کے اثرات برصغیر کی تاریخ میں بھی ملتے ہیں، لیکن بعد میں صورتحال بدل گئی اور یہ تبدیلی آریاؤں کی آمد کے بعد ہوئی۔ مادرانہ دور کے نتیجہ میں جو دیویاں وجود میں آئی تھیں ان کی جگہ دیوتاؤں نے لے لی، اگرچہ اوشا، ارن یانی اور سرسوتی کی پوجا ہوتی تھی، مگر ان کی وجہ شہرت دلکشی وخصوبصورتی تھی، آریاؤں کے ابتدائی دور میں عورت اتنی بے قدر نہ تھی جو ان کے بعد کے دور میں ہوئی اور نہ ابتداء میں بیوی کو شوہر کی موت پر اس کے ساتھ ستی ہونا پڑتا تھا، لیکن رامائن کے دور میں عورت کی سماجی حالت بدل گئی۔ اس کا اندازہ ہندو لوک کہانیوں سے لگایا جاسکتا ہے۔ بعد کے ادوار میں یہ کیفیت بدستور قائم رہتی ہے اور خاوند کی وفات کے بعد عورت کا کسی دوسرے مرد سے بیاہے جانے کا سوچنا ایک جرم اور گناہ تصور کیا جانے لگا، اس کے نتیجہ میں ''ستی'' ایک پسندیدہ رسم بن گئی۔ جائداد کے معاملہ میں بھی عورت کے ساتھ ہندو مذہب میں وہی رویہ اپنایا گیا جو دیگر مذاہب میں تھا۔ (9)

مذکورہ تفصیل سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ قبل از اسلام یورپ میں عورت کی حیثیت کا تعین افراط وتفریط کا شکار رہا ہے۔ اس حوالہ سے تمام ادوار میں شدید غلطیاں کی گئیں۔

اسلام میں خواتین کا کردار:

اسلام دین فطرت ہونے کی بناء پر سماجی زندگی کے لئے ایسے اصول دیتا ہے جو چند افراد، گروہ اور مخصوص طبقات کی بالادستی کی بجائے بلاتفریق تمام انسانوں کی عزت، ان کے جائز مقام اور بنیادی حقوق میں سب کو یکساں مواقع فراہم کرنے کی ضمانت دیتا ہے۔

www.rahimia.org

سماجی زندگی میں ''خاندان'' ایک اکائی کی حیثیت رکھتا ہے، اس اکائی میں مرد اور عورت ایک نوع (انسان) کی دو مختلف اصناف ہیں اور ہر صنف دوسرے کے تعاون کے بغیر زندگی کے جملہ تقاضے پورے نہیں کرسکتی اور نہ ہی دونوں ایک دوسرے کے بغیر حقیقی زندگی کے مسائل کا کما حقہ ادراک اور ان کا حل نکال سکتے ہیں۔ وہ لوگ جو مجرد (بغیر بیوی/ خاوند کے) زندگی گزارتے ہیں یا نکاح کے بعد اولاد کی نعمت سے مالا مال ہونے کے بعد کسی ایک کا انتقال دوسرے کے لئے جو مسائل کا طوفان اُٹھاتا ہے، اس تلخی کا اندازہ اس صورتحال سے دو چار ہونے والے لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں، لہٰذا یہ نتیجہ اخذ کرنا مناسب ہوگا کہ جس ضرورت کے تحت مرد و عورت رشتہ ازدواج میں منسلک ہوتے ہیں، اولاد ہونے کے بعد ایک دوسرے کی مدد کے اور زیادہ محتاج ہوجاتے ہیں، اب صرف دو انسانوں کی زندگی کی آسائش و راحت کا ہی مسئلہ نہیں بلکہ دیگر انسانوں کی زندگی ان کی بقائ، تعلیم و تربیت، ترقی اور راحت کے سوالات بھی اپنا جواب طلب کرتے ہیں۔ عملی زندگی کے حقیقی مسائل سے آگاہ لوگ اس تبدیلی کو نظر انداز نہیں کرسکتے، اس بناء پر یہ کہنا بجا ہوگا کہ انسانی زندگی کے بعض دائروں میں جہاں مرد کی ضرورت و اہمیت ہے، وہیں بعض دائروں میں عورت کے وجود کی اہمیت ناگزیر ہے۔

یہاں یہ فرق ملحوظِ خاطر رکھنا ضروری ہے کہ طبعی اور فطری فرق کی وجہ سے مرد و عورت دونوں کا دائرہ کار مختلف ہے۔ یہی فرق ان دونوں کے الگ الگ حقوق و فرائض کے تعین کا باعث بنتا ہے، اس بناء پر دو مختلف اصناف ہونے کی حیثیت سے جو معقول امتیاز ان کے درمیان ہوسکتا ہے، اسلام صرف اس کو قبول کرتا ہے، اس فطری فرق کے علاوہ مرد و عورت کے درمیان تمام امتیازات کو ختم کر کے اسلام دونوں کو صحت مند معاشرے کا حصہ بنانا چاہتا ہے، اس طرح کہ ہر صنف اپنی منفرد حیثیت اور صلاحیت کا بھرپور استعمال کر کے معاشرے کی بنیادی اکائی کو مضبوط و مستحکم کرے۔ اس ضمن میں ایک حدیث لائق مطالعہ ہے، نبی اکرمؐ فرماتے ہیں۔:

ان عرش ابلیس علی البحر فیبعث سرایاہ فیفتنون الناس۔ فاعظمھم عندہ اعظمھم فتنة یجیءاحدھم فیقول فعلت کذاو کذافیقول ماصنعت شیأثم یجئی احدھم فیقول ماترکتہ حتی فرقت بینہوبین امرأتہ۔ فیدنیہمنہویلتزمہویقول نعم انت۔(10)

''ابلیس کا تخت سمندر کے اوپر ہے، وہ اپنے دستے بھیجتا ہے تاکہ لوگوں کو گمراہ کریں اور فتنہ و فساد برپا کریں، ابلیس کے نزدیک وہ شیطان سب سے بڑا اور محترم قرار پاتا ہے، جو سب سے بڑا فتنہ برپا کر کے آتا ہے، اور کہتا ہے میں نے ایسا کیا اور ایسا کیا، شیطانوں کا سردار ابلیس اس سے کہتا ہے کہ تم نے کچھ نہیں کیا، پھر ان میں سے ایک آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں ایک مرد اور عورت کے پیچھے لگا رہا، یہاں تک کہ میں نے دونوں کے درمیان جدائی ڈال دی۔ ابلیس اس کو اپنے قریب کرتا ہے اور اس کو لپٹ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ ہاں تم نے اصل کام کیا''۔

www.rahima.org

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ معاشرے میں فساد پھیلانے کے لئے شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار مرد و عورت کے رشتہ کو خراب کرنا ہے تا کہ پورا معاشرہ اس کے نتیجہ میں فساد زدہ ہوجائے، شیطان کی اس حرکت سے ہوشیار رہنے اور اس مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر حضورؐ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا:

فاتقو اللّٰہ فی النساء (11)

''عورتوں کے بارہ میں اللہ سے ڈرتے رہو''۔

اسلامی معاشرہ میں گھریلو زندگی کے اندر ماں کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی اور حدیث مبارکہ میں اس کو خدمت کا سب سے زیادہ حق دار قرار دیا گیا ہے، یہاں تک کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

ان الجنۃ تحت رجلیھا (12)

''جنت ماں کے قدموں تلے ہے''۔

ایک مؤمن کے ایمان، عبادات اور تمام معاملات کا اصل مقصود آخرت میں رضائے الٰہی حاصل کرنا ہے اور رضائے الٰہی کا مقام جنت ہے، اس حدیث مبارکہ میں جنت کو ماں کے قدموں تلے بتایا گیا ہے، یہ اس لئے کہ ماں اپنی جان کو تکلیف اور خطرے میں ڈال کر بچے کو جنم دیتی ہے، اور پھر اپنے آرام و آسائش کو تج کر بچے کی پرورش کرتی ہے، یہاں تک کہ اس کی خوشی غمی اس معصوم بچے سے وابستہ ہوجاتی ہے۔تو یہ بچہ بڑا ہوکر اگر اپنی ماں کی خدمت اور احسان مندی کا ثبوت دیتا ہے تو اس سے دیگر اخلاقِ عالیہ کے ظہور کی ایک مضبوط اساس بن جاتی ہے اور توقع کی جاسکتی ہے کہ اس کا یہ خلق (احسان مندی) اگر برقرار رہا تو وہ مطلوبہ اخلاق جن کی وجہ سے انسان جنت میں داخل ہوتا ہے، اس میں پیدا ہوں گے۔غور کیجئے کہ حضورؐ انسان کی اس بلند ہمتی اور کردار کی عظمت کی بنیاد ماں کی خدمت کو بتا رہے ہیں۔اسلام کی نگاہ میں عورت کی کیا حیثیت ہے، اس حدیث کی روشنی میں متعین کی جاسکتی ہے۔

اسلام مرد وعورت کے رشتہ کو صحیح خطوط پر اس لئے قائم کرنا چاہتا ہے کہ سماج کی ان مختلف اکائیوں کے اجتماع سے تشکیل پانے والا معاشرہ تمام آلائشوں سے پاک ہو۔ اس لئے قرآن نے مرد وعورت کے باہمی تعلق کی مختلف نوعیتوں اور حالات کو بہتر بنانے کے لئے سو سے زائد مقامات پر رہنمائی فرمائی ہے۔ اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی اس عمرانی معاہدہ کے حوالہ سے تفصیلی ہدایات ہمیں ملتی ہیں۔ مرد وعورت کا رشتہ طے پانے، نکاح، عائلی مسائل، اس رشتہ کے نتیجہ میں قائم ہونے والے دیگر رشتے اور خدانخواستہ اگر یہ رشتہ بوجوہ ختم کئے جانے کے قابل ٹھہرتا ہے تو طلاق اور اس کے بعد کے جملہ مسائل کا حل ہمیں احادیث میں ملتا ہے، جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام کے ہاں اس رشتہ کی کیا اہمیت ہے۔

یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ اسلام سے قبل عورت کو ایک مال اور متاع کی حیثیت دی گئی تھی۔ ان پر ہونے والے ظلم و زیادتی کا سوال انصاف کے ترازو کے پلڑوں میں وزن کئے جانے کی چیز نہ تھی۔ اگر عورت کو انسان کی حیثیت

www.rahnuma.org

دی بھی جاتی تو ایک خادمہ اور غلام سے زیادہ اس کی حیثیت نہ تھی، وہ قانونی ملکیت سے قطعی طور پر محروم تھی، بعض حالات میں تو غیر انسانی سلوک روا رکھا جاتا تھا، لیکن اسلام نے آ کر اعتدال کی راہ اختیار کی اور تسلیم کروایا کہ عورت انسان ہے، انسانیت کی صف میں مرد و عورت دونوں کے درمیان کوئی امتیاز نہیں، لہٰذا ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا 13()

''اے لوگو! ڈرو اپنے پروردگار سے جس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا اور اسی (نفس) سے اس کے جوڑے کو پیدا کیا''۔

یعنی مرد و عورت کی تخلیق کا چونکہ ایک ہی مرکز ہے، اس بناء پر یہ دونوں درجہ انسانیت میں برابر ہیں، ان میں کوئی جوہری فرق نہیں۔ اسی مضمون کو ایک حدیث یوں بیان کرتی ہے:

انما النساء شقائق الرجال۔(14)

''بلاشبہ عورتیں (انسانیت میں) مردوں ہی کی ہم جنس ہیں''۔

یعنی مرد اور عورت دونوں برابر ہیں تو انسانی حقوق میں بھی دونوں یکساں ہیں اور مرد کے مقابلہ میں عورت اس (انسانی) سلسلہ میں کم تر نہیں۔ جس اصول پر مرد کے حقوق و فرائض ہیں، اسی اصول پر عورت کے بھی حقوق و فرائض ہیں، چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ 15()

''اور عورتوں کے لئے بھی اسی طرح حقوق مردوں پر ہیں، جس طرح مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں، دستور کے موافق''۔

اسی مضمون کی ایک حدیث یوں ہے:

الا ان لکم علی نساءکم حقا ولنساءکم علیکم حقا۔(16)

آگاہ رہو بلاشبہ تمہارے حقوق تمہاری عورتوں پر ہیں اور اسی طرح تمہاری عورتوں کے حقوق تم پر ہیں''۔

دورِ جاہلیت یعنی قبل از اسلام اور اسلام کے بعد کے حالات کو تجزیہ کرتے ہوئے حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں:

واللہ ان کنا فی الجاھلیۃ ما نعد النساء شیأ فلما جاء الاسلام و ذکرھن اللہ رأینا لھن بذالک علینا حقا۔(17)

''اللہ کی قسم جہالت کے زمانہ میں ہم عورتوں کو کوئی اہمیت نہ دیتے تھے، پھر جب اسلام آیا اور اللہ نے عورتوں کے حقوق ذکر کئے تب ہمیں معلوم ہوا کہ ان عورتوں کے ہم پر کیا حقوق ہیں''۔

قرآن میں کئی مقامات پر صرف مردوں کو مخاطب کیا گیا ہے، اس سے یہ شبہ گزرتا تھا کہ احکام اور بعض اعمال

کے نتائج کے حوالہ سے مرد و عورت میں فرق ہے، یعنی عبادت یا کسی قربانی کا جو ثمر مرد کو ملے گا، عورت کو نہ ملے گا تو اس شبہ کا تذکرہ حضرت اُم سلمہؓ نے رحمت دو عالمؐ سے کیا، عرض کرتی ہیں:

یارسول اللہ لا اسمع اللہ ذکر النساء فی الھجرۃ (او فی القرآن) (18)

''اے اللہ کے رسولؐ کیا ماجرا ہے کہ میں اللہ کا کلام سنتی ہوں، جن میں ہجرت کے تذکرے ہیں، ان میں عورتوں کا ذکر نہیں ملتا'' (ایک روایت میں ہے کہ مردوں کا ذکر ہے عورتوں کا نہیں)۔

حضرت اُم سلمہؓ کے اس سوال کے جواب میں آیت نازل ہوئی:

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ 19()

''قبول کر لی ان کے پروردگار نے ان کی بات، میں ضائع نہ کروں گا کسی عمل کرنے والے کا عمل وہ مرد ہو خواہ عورت''۔

اسی مضمون کی ایک آیت ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ 20()

''مرد جیسا عمل کریں گے ویسا پھل ان کو ملے گا اور عورتیں جیسا عمل کریں گے ویسا ہی پھل ان کو ملے گا''۔

چنانچہ دونوں کو قصاص میں برابر کرتے ہوئے حضور ﷺ فرماتے ہیں:

ان الرجل یقتل بالمرأۃ (21)

''عورت کے بدلہ میں مرد کو (قصاص کے تحت) قتل کیا جائے گا''۔

عورت کے خون کو اس قدر قیمتی قرار دیا گیا کہ ایک موقع پر ایک عورت کے قتل میں شریک کئی اشخاص کو حضرت عمرؓ نے قتل کیا۔

ان عمر رضی اللہ عنہ قتل نفراً من اھل صنعا بأمرأۃ قادھم بھا (22)

یہ تو وہ آیات و احادیث تھیں، جو عمومی قاعدے اور ضابطے متعین کرتی ہیں، جن سے ایک اصولی Concept واضح ہوتا ہے کہ اسلام خواتین کا کیا کردار انسانی مقام متعین کرتا ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ قبل از اسلام عورت کو جس نگاہ سے دیکھا جاتا تھا کیا اسلام نے اسی روش کو برقرار رکھا؟ اس اہم سماجی معاملہ میں کوئی جوہری تبدیلی پیدا کی تو اب تک زیر بحث آنے والی آیات و احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام کا نقطہ نگاہ قبل از اسلام کی حالت سے مختلف ہے، اور عورت کے ساتھ موجودہ جبر والے معاملہ کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں، یہ رویہ چند ناسمجھ، روحِ دین سے بے بہرہ، تنگ نظر اور تشدد پسند لوگوں کی سوچ کا شاخسانہ ہے۔ اسلام کا دامن اس جبر و ناانصافی سے پاک ہے۔

www.rahimia.org

ذیل میں اب اسلامی تعلیمات کے اس حصہ کا مطالعہ کرتے ہیں، جن میں خصوصیت کے ساتھ معاشرہ میں عورتوں کی حیثیت و مقام کو نمایاں کیا گیا ہے۔

سماج کے لئے اجتماعی خدمت سر انجام دینے والے مردوں اور عورتوں کے حوالہ سے حضرت اُم سلمہؓ والی مذکورہ حدیث (23) اساس کی حیثیت رکھتی ہے، جس میں مرد و عورت کے عمل کی قدر و قیمت کے تعین میں قرآن و حدیث میں یکجا ذکر ملتا ہے، جس سے مرد و عورت کے درمیان غیر منصفانہ امتیاز کی نفی ہوتی ہے، اس کے علاوہ متعدد مقامات ایسے ہیں، جہاں عورت کے اجتماعی کردار کو تحسین کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ کے پاس ایک دن حضرت جبریل تشریف لائے تو حضورؐ نے مجھے فرمایا:

یاعائشہھذا جبریل یقرئک السلام فقلت وعلیہ السلام۔(24)

''اے عائشہؓ جبریل تمہیں سلام کہہ رہے ہیں، تو میں نے جواباً انہیں سلام کہا''۔

ایک خاتون کو امام الملائکہ کا سلام کہنا غیر معمولی بات ہے، اس اکرام اور اعزاز کا سبب حضرت عائشہؓ کی وہ خدمات ہیں، جو آپ نے دین اسلام کی ترقی کے لئے سر انجام دیں، چونکہ حضرت عائشہؓ کی دینی، علمی اور سماجی خدمات دیگر ازواج کی نسبت نمایاں اور زیادہ ہیں، اس بناء پر ان کی حوصلہ افزائی اور اعترافِ خدمات کے عوض انہیں اس اعزاز سے نوازا گیا۔

اعترافِ خدمات کے ضمن میں ایک حدیث ہے، حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بارہ میں ایک موقع پر حضرت عائشہؓ کے اس قول کے جواب میں کہ ''اللہ نے آپ کو خدیجہ سے بہتر بیوی دے دی ہے''، آپؐ نے انتہائی غصہ کے عالم میں فرمایا، اس حال میں کہ آپؐ کے بدن مبارک کے بال کھڑے تھے، فرمایا:

لا واللہ ما ابدلنی اللہ خیراً منھا آمنت بی اذ کفر الناس و صدقتنی اذ کذبنی الناس و واستنی بمالھا اذ حرمنی الناس و رزقنی اللہ منھا الولد دون غیرھا من النسائ۔(25)

''نہیں وہ ایمان لائیں جب سب لوگ کافر تھے۔ اس نے میری تصدیق کی، جب سب نے مجھے جھٹلایا۔ اس نے میری مال سے مدد کی جب دوسروں نے مجھے محروم رکھا اور اللہ نے مجھے اس سے اولاد دی۔ جب کہ دیگر بیویوں سے اولاد نہیں دی''۔

اسی طرح حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور حضورؐ سے کہا کہ: خدیجہؓ کو ان کے پروردگار اور میری طرف سے سلام کہہ دیں اور انہیں جنت کی بشارت دے دیں۔ (26)

ایک حدیث میں ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ گھر میں جب کبھی حضورؐ بکری ذبح کرتے تو فرماتے کہ خدیجہ کی سہیلیوں کو گوشت بھیج دو۔ (27)

حضرت خدیجہؓ کے بارہ میں اس مضمون کی کئی احادیث ہیں، یہ سب تذکرے اور ان کی عظمت کا بیان ان کی ان قربانیوں اور خدمات کا تعارف ہے، جو انہوں نے حضور ﷺ کی معاونت میں انجام دیں۔

وہ لوگ جو دینی اور سماجی خدمات سرانجام دیتے ہیں اور انسانوں کو ظالموں کے شکنجے سے نکالنے کے لئے تن من دھن قربان کرتے ہیں، ان کی اس قربانی کی عظمت اور ان کا صلہ انہیں جو ملے گا، وہ اپنی جگہ لیکن ان کے اس عمل کا ایک بہت بڑا اثر ان کی بیویوں پر مرتب ہوتا ہے، ان کے اس عمل سے بیویوں کے بہت سے حقوق متأثر ہوتے ہیں۔ان کی اس ایثار و قربانی کی تحسین حضورؐ نے ان کلمات سے فرمائی:

حرمۃنساءالمجاھدین علی القاعدین کحرمۃامھاتھم۔(28)

''مجاہدین کی بیویوں کی حرمت سماجی جدوجہد نہ کرنے والوں پر ایسے ہے، جیسے ان کی ماؤں کی ان پر حرمت''۔

جس طرح ماں اپنی قربانی اور ایثار کی وجہ سے محترم و معزز ہے، اور اولاد پر اس کا ادب و احترام دوسری خواتین کی نسبت بہت زیادہ ہے، اسی طرح مجاہدانہ زندگی گزارنے والے مردوں کی بیویاں بھی اضافی احترام کی مستحق ہیں۔خواتین کو یہ احترام وعزت تاریخ اسلام سے پہلے نہیں دیا گیا، قبل از اسلام بھی عورت ایسی خدمات انجام دیتی تھی مگر اس کی قربانی کی قدر نہ کی جاتی تھی، بلکہ اس کے ساتھ آلاتِ حرب کا سا معاملہ ہوتا تھا۔اسلام نے عورت کے ایثار و قربانی کو ایک جائز مقام دیا۔اسلام نے خواتین کو اس حد تک عزت دی کہ وہ خواتین جو سماجی عدل و انصاف کے قیام میں سرگرم ہوں اگر وہ دشمن کے حوالہ سے کوئی اہم فیصلہ بھی کرتی ہیں تو ان کے فیصلہ کو قبول کیا جاتا ہے، حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

ان المرأۃ لتأخذللقوم۔(29)

''عورت (جنگ میں) مسلمانوں کی جانب سے امان دے سکتی ہے''۔

انسانی سماج کا ایک اہم حصہ عائلی نظامِ حیات ہے، حقیقت یہ ہے کہ تمام انفرادی اور اجتماعی اخلاق کی داغ بیل یہیں پڑتی ہے، یہی وہ گوشہ زندگی ہے، جہاں عورت کی حیثیت کا درست تعین ہوتا ہے، اگر اس دائرۂ زندگی میں عدل و انصاف قائم ہوجائے تو سارے سماج کی عمارت کو عدل و انصاف کے اصولوں پر استوار کرنے کے مواقع میسر آسکتے ہیں، امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں:

''ہمارے ہاں یہ ہوا کہ ہم نے بیویوں کو اپنا محکوم بنایا اور انہیں ذلیل سمجھا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے گھروں کی فضاء محکومی اور ذلت سے آلودہ ہوگئی ہے، ہم اس فضاء میں سانس لیتے ہیں، اور ہمارے بچے اس میں پلتے ہیں، چنانچہ ہماری اس گھریلو زندگی کا اثر ہماری گھر سے باہر کی پوری زندگی پر پڑا اور جس طرح ہم نے گھر کے اندر اپنی عورتوں کو محکوم اور ذلیل سمجھا، اسی طرح ہم گھر کے باہر خود بھی

ذہناً، طبعاً اور اخلاقی لحاظ سے محکوم اور ذلیل ہو گئے اور ہماری اولاد اس سانچے میں ڈھلتی چلی گئی۔ سچ پوچھو تو ہماری موجودہ قومی پستی، جمود، بے ضمیری اور عدمِ ثبات و استقامت بہت حد تک ہماری اسی گھریلو زندگی کی وجہ سے ہے، اب اگر ہمیں آزاد ہونا ہے اور اس دنیا میں اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی اپنے اندر ہمت پیدا کرنا ہے تو ضرورت ہے کہ ہم اپنی عورتوں کے اندر عزتِ نفس اور رفاقت کا شعور پیدا کریں''۔(30)

گھریلو زندگی میں عورت کی حیثیت کے درست تعین کے حوالہ سے جب ہم قرآن و حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں، تو نکاح اور عائلی حقوق میں مرد و عورت میں کوئی چنداں فرق نہیں کیا گیا، بلکہ جو حقوق مرد کو حاصل ہیں، وہ تمام انسانی حقوق عورت کو بھی حاصل ہیں، نہ صرف یہ کہ نکاح، نان و نفقہ، حقوقِ اولاد اور (بوجوہ) طلاق کی صورت اور دیگر تمام امور میں عورت کے حقوق، احساسات کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ بلکہ اسے مکمل عزت و وقار عطاء کیا گیا اور اس امر میں دونوں کو یکساں طور پر پیش کیا گیا۔ چنانچہ قرآن کا ارشاد ہے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ط (31)

''وہ عورتیں لباس ہیں تمہاری اور تم لباس ہو ان کا''۔

لباس جہاں انسان کے جسم کی حفاظت اور راحت کا ذریعہ ہے، وہیں دیگر تمام مخلوقات (انسان کے علاوہ) کے مقابل اس کے عزت و وقار کا باعث ہے، اگر کوئی انسان کسی وجہ سے لباس سے محروم ہو جائے تو اسے سماج میں بہت معیوب اور اس انسان کو قابل رحم سمجھا جاتا ہے، مرد و عورت کو ایک دوسرے کا لباس قرار دے کر قرآن نے دونوں کو درجہ انسانیت میں یکساں مقام دیا ہے، یہ اعزاز جو اسلام نے عورت کو دیا ہے تاریخ میں ہمیں کہیں نہیں ملتا، یوں تو اس امر (درجۂ انسانیت) میں دونوں یکساں ہیں، لیکن اسلام نے گھریلو زندگی میں عورت کو مزید شرف عطاء کیا ہے۔ ایک مرتبہ ایک صحابیؓ نے حضور ﷺ سے پوچھا: میری خدمت کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: تمہاری ماں، صحابی نے عرض کیا پھر کون؟ فرمایا: تمہاری ماں، صحابی نے دوبارہ پھر عرض کیا پھر کون؟ فرمایا: تمہاری ماں، صحابی نے پھر عرض کیا پھر کون؟ تو فرمایا: پھر تمہارا باپ۔(32)

اس اضافی احترام کا سبب قرآن نے بیان کیا ہے، وہ ہے اولاد کے لئے ماں کی بے پناہ قربانیاں۔(33)

نبی اکرمؐ اپنی ازواجِ مطہرات کے ساتھ بہت نرمی اور محبت والا معاملہ کیا کرتے تھے، آپؐ کی عائلی زندگی بہت فطری اور اُنس و محبت کو لئے ہوئے تھی، نبی اکرمؐ عائلی زندگی سے متعلق متعدد احادیث میں اصولی رہنمائی دیتے ہیں، خوفِ طوالت سے تمام کے تذکرہ کی بجائے چند ایک احادیث ذکر کی جاتی ہیں، جو اس پہلو کو واضح کر دیتی ہیں۔ آپؐ فرماتے ہیں:

خیر کم خیر کم لاھلہ وانا خیر کم لاھلی، ما اکرم النساء الا کریم و لا اھانھن الا لئیم۔(34)

www.rahimia.org

''تم (مردوں) میں سے بہترین وہ مرد ہے جو اپنے بیوی و بچوں کے حق میں بہتر ہے اور میں خود اپنے بیوی بچوں کے حق میں تم سب سے بہتر ہوں، عورتوں کی عزت وحرمت کا لحاظ وہی کرتا ہے، جو خود شریف ہو اور عورتوں کی توہین وہی کرتا ہے جو خود کمینہ ہو''۔

مرد کی زندگی میں پاکباز عورت کے وجود کو ایک نعمتِ الٰہی قرار دیتے ہوئے حضورؐ ارشاد فرماتے ہیں:

الدنیا کلھا متاع وخیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ۔(35)

''دنیا کی ہر چیز سامان ہے اور دنیا کا سب سے اچھا سامان نیک عورت ہے''۔

ایک دوسری روایت میں ہے:

انما الدنیا متاع ولیس من متاع الدنیا شیء افضل من المرأۃ الصالحۃ۔(36)

''بلاشبہ ساری دنیا ایک سامان کی مانند ہے اور دنیا کے سامان میں نیک عورت سے زیادہ بہتر کوئی چیز نہیں ہے''۔

انسانی زندگی میں صالحہ عورت کی اہمیت ایک اور حدیث سے ہوتی ہے، وہ لوگ جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں، لیکن سماج کے اجتماعی مفاد میں اسے خرچ کرنے سے پہلوتہی کرتے ہیں، ان کے بارہ میں جب آیت نازل ہوئی تو صحابہؓ نے حضورؐ سے سوال کیا:

لو علمنا ای المال خیر فنتخذہ۔(37)

''اگر ہم یہ جانتے کہ کونسا مال بہتر ہے تو ہم اسی کو لیتے''۔

تو آپؐ نے فرمایا:

افضلہ لسان ذاکر وقلب شاکر وزوجۃ مؤمنۃ تعینہ علی ایمانہ۔(38)

''سب سے افضل چیز اللہ کو یاد کرنے والی زبان، اللہ کا شکر کرنے والا دل اور ایسی مؤمنہ عورت ہے، جو اپنے خاوند کے ایمان (غلبۂ دین کے نظریہ) کی ترویج واشاعت میں اس کی مدد کرے''۔

مذکورہ حدیث سے ایک حقیقت یہ بھی کھلتی ہے کہ عورت کی حقیقت خوبی یہ ہے کہ وہ دینی اور اجتماعی ذمہ داریوں کو نبھانے میں اپنے خاوند کی معاون و مددگار ہو، چنانچہ ازواجِ مطہرات کو قرآن مخاطب کر کے کہتا ہے:

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ط 39()

''اللہ کی طرف سے نازل کردہ ان آیات اور حکمت کی باتوں کا چرچہ اور تذکرہ کیا کرو، جو تمہارے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہیں''۔

اس قاعدہ اور ضابطہ کو ہر مرد اور عورت کے لئے حضورؐ لازمی قرار دے دیا اور مرد کی طرح عورت کو بھی ذمہ دارانہ رویہ اپنانے کا پابند کیا، چنانچہ ارشادِ نبویؐ ہے:

www.rahimia.org

والمرأۃ راعیۃ فی بیت زوجھا و مسئولۃ عن رعیتھا۔(40)

''اور عورت اپنے خاوند کے گھر کی نگہبان ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری اور ماتحتوں (بچوں) کے بارہ میں سوال ہوگا''۔

یعنی یہ کہ خاوند کے گھر، مال و متاع کی حفاظت کے ساتھ بچوں کی درست تعلیم و تربیت کے لئے کس حد تک ذمہ داری نبھائی۔ گویا عورت کو محض ناز و نعم میں رہنے کا عادی نہ ہونا چاہئے، بلکہ آپؐ نے گھریلو اُمور میں اسے ذمہ دارانہ رویہ اپنانے کا حکم دیا اور گھریلو اُمور میں اس پر اعتماد کا اظہار کیا، ظاہر ہے ذمہ داری کی تفویض اعتماد کے بغیر نہیں ہوتی، نیز اس حدیث مبارکہ میں عائلی زندگی کے اندر ذمہ دارانہ حیثیت کے حوالہ سے اپنے اپنے دائرہ میں مرد وعورت دونوں کو برابر کا شریک کیا، اسی لئے عربی لفظ ''زوج'' مرد اور عورت دونوں کے لئے استعمال کیا گیا ہے اور قرآن میں بیوی کے لئے ''صاحبہ'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، یعنی زندگی کا ساتھی۔ اس طرح گھریلو زندگی میں کسی ایک کی کسی بھی قسم کی ناجائز بالادستی کا قلع قمع ہوجاتا ہے۔

مذکورہ بالا آیات و احادیث سے یہ امر بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ اسلام میں عورت کو ایک جائز مقام دیا گیا ہے، اسے معاشرہ پر بوجھ، بے کار چیز اور عضو معطل نہیں بنایا گیا۔ اس کے قول و عمل کو ضروری اہمیت دی گئی ہے اور اسے معاشرہ کا ایک ذمہ دار انسان مانا ہے۔ اسلام میں عورت کی حیثیت کے تعین میں یہ چند آیات و احادیث بطورِ اساس کے ذکر کی گئی ہیں، ورنہ اس موضوع پر قرآن و حدیث میں کافی مواد موجود ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

اس موضوع کے ضمن میں بعض آیات و احادیث ذکر کی جاتی ہیں، جو بظاہر مذکورہ نتائج کی نفی کرتی ہیں، اگرچہ اس موضوع کا دائرہ کار اور خوفِ طوالت الگ الگ ایسی آیات و احادیث کا درست مفہوم پیش کرنے میں مانع ہے، البتہ مختصراً ایسے دلائل کے بارہ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کو درست طور پر نہیں سمجھا گیا۔ اور حصولِ نتائج کے لئے سب سے اہم ایک اصول کو نظر انداز کیا گیا کہ کسی ایک معاملہ پر قرآن و حدیث کی کوئی ایک یا چند آیات و احادیث سے درست نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا، بلکہ حقیقتِ امر جاننے کے لئے تمام آیات و احادیث کا جائزہ لینا ضروری ہوتا ہے، اس بناء پر مذکورہ آیات و احادیث غور و فکر کے لئے اساس مہیا کرتی ہیں۔

مذکورہ اندازِ فکر کا نتیجہ ہے کہ عورت کی اصل حیثیت کو مجروح کرنے کے لئے ان احادیث کا حوالہ دیا جاتا ہے، جن میں عورت کو مرد کے لئے آزمائش قرار دیا گیا ہے اور اس کو بنیاد بنا کر عورت کو ہر طرح کے ظلم و ستم سہنے کا پابند کیا جاتا ہے، لیکن یہ تصویر کا ایک رُخ ہے، حدیث مبارکہ میں یہی مضمون اس طرح بھی آیا ہے:

مامن صباح الا و ملکان ینادیان ویل للرجال من النساء و ویل للنساء من الرجال۔(41)

www.rahnuma.org

''ہر صبح دو فرشتے اعلان کرتے ہیں کہ مردوں کے لئے عورتیں تباہ کن ہیں اور عورتوں کے لئے مرد''۔

اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ مرد و عورت دونوں میں سے کوئی ایک اگر عفت و پاکدامنی اور ادائیگی فرائض کو نظر انداز کرے گا تو وہ دوسرے کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگا۔ کہا جاسکتا ہے کہ بعض صنفی وجوہ کی بناء پر یہ عیب عورت میں زیادہ ہے لیکن اس حدیث سے اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ معاملہ یک طرفہ نہیں ہے، یہ صورتحال دونوں طرف ہوسکتی ہے اور ایسا دیکھنے میں بھی آتا ہے۔ ایسے میں محض ایک کو ذمہ دار بنانا ناانصافی ہے۔

یورپین مفکر کا اعتراض:

انگریز مستشرق ایڈورڈ ولیم لین (1808ء-1876ئ) نے قرآن کے منتخب حصوں کا انگریزی ترجمہ کیا تھا، یہ ترجمہ پہلی بار لندن سے 1843ء میں چھپا۔ اس ترجمہ کے ساتھ ایک دیباچہ شامل تھا، اس دیباچہ میں مترجم نے اسلامی تعلیمات کا تعارف کراتے ہوئے لکھا کہ اسلام کا تباہ کن پہلو عورت کو حقیر درجہ دینا ہے، اصل عبارت یہ ہے:

The fatal point in Islam is the degradation of women. (42)

یہ اور اس قسم کے یورپین مفکرین کے بیانات ہیں، جن سے عورت کی بابت اسلام کا نقطہ نظر غلط طور پر پیش کیا گیا، حالانکہ عورت کے بارہ میں یورپین مفکرین کے پیش کردہ تصور سے اسلام کا تصور قطعی طور پر مختلف ہے، اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

اس امر کا ایک اور پہلو سے جائزہ لیتے ہیں، وہ یہ کہ قدیم معاشروں میں مختلف توہمات یا جبر و ستم کی وجہ سے عورت کو کم تر سمجھا گیا، اس کے نتیجہ میں عورت جن حقوق سے محروم ہوئی، ان میں سے ایک اہم حق، وراثت کا حصہ تھا۔ اسلام نے آ کر پہلی بار عورت کو جائداد میں وراثت کا حصہ دار قرار دیا۔ اس حقیقت کا اعتراف بعض یورپین مفکر کرتے ہیں۔ جیسے ایم رابرٹس نے لکھا ہے:

Its coming was in many ways revolutionay. It kept women, for example, in an inferior position, but gave them legal rights over property not available to women in many European countries until the nineteenth century. Even the slave had rights and inside the community of the believers there were no castes nor inherited status. This revolution was rooted in religion which --- like that of the Jews---was not distinct from other sides of life, but embraced them all. (43)

www.rahimia.org

''اسلام کی آمد بہت سے پہلوؤں سے انقلابی تھی۔ مثال کے طور پر اس نے عورتوں کو اگر چہ کم درجہ دیا مگر اس نے عورتوں کو جائداد پر قانونی حق دیا، جو کہ یورپ کے اکثر ملکوں کی عورتوں کو 19 ویں صدی عیسوی تک بھی حاصل نہ ہوسکا تھا۔ حتی کہ غلام بھی حق رکھتے تھے اور اہل ایمان کی جماعت کے اندر نہ ذات پات تھی اور نہ پیدائشی درجات۔ اس انقلاب کی جڑیں ایک ایسے مذہب میں جمی ہوئی تھیں جو کہ یہود کی مانند صرف دوسری زندگی سے تعلق نہیں رکھتا تھا بلکہ سب کچھ اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھا''۔

مذکورہ بالا اقتباس میں ایک بات اسلام کے حوالہ سے وہی ہے جو ایڈورڈ ولیم نے کہی۔ دورِ جدید کے جو مبصرین اس قسم کی بات کہتے ہیں وہ دراصل مسٹر ولیم کی نقل ہے، ورنہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلام ہی وہ پہلا نظامِ حیات ہے، جس نے عورتوں کے حقوق کا دروازہ کھولا۔ قدیم معاشروں میں کم و بیش تقریباً یہی حال رہا کہ ان میں عورتوں کو حقوق حاصل نہ تھے۔ غور کیا جائے تو اسلام پر اعتراض کرنے والے مفکرین کی اپنی ہی بات میں تردید ہے، وہ یوں کہ آج اور قدیم زمانہ میں وراثت کا مسئلہ اہم ترین معاشرتی معاملہ رہا ہے اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حق وراثت ایک ایسا معیار ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی معاشرہ میں کس کو کیا درجہ دیا گیا ہے۔ اسلام کا اس وقت کے زمانی رواج کے سراسر برعکس جائداد میں عورت کو حصہ دار بنانا، واضح طور پر اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام عورت کو کم تر درجہ نہیں دیتا۔ اگر اسلام میں عورت کو کم تر سمجھا جاتا تو اس زمانہ کی روایت کے مطابق اسلام بھی اسے یہ حق نہ دیتا تو کوئی اسے برا نہ مانتا مگر امر واقعہ اس کے برعکس ہے اور یہ اس لئے ہے کہ اسلام کے پیش نظر بلا تفریق معاشرہ کے تمام افراد کے حقوق فراہم کرنا ہے اور انصاف یہ ہے کہ اسلام نے ایسا ہی کیا ہے۔ غرضیکہ قرآن و حدیث میں ہمیں مرد اور عورت کے درمیان بعض انتظامی ذمہ داریوں کے علاوہ کوئی حدِ فاصل نہیں ملتی البتہ صنفی تقاضوں کے فطری تفاوت کو قائم رکھنا یقیناً قرین انصاف تھا، جسے اسلام نے برقرار رکھا۔

عہد اول میں اُمہات المؤمنین و صحابیات کی اجتماعی سرگرمیاں:

اسلام نے عورت کو جو جائز مقام دیا ہے، اس کا نتیجہ تھا کہ دورِ نبویؐ میں اُمہات المؤمنین اور دیگر صحابیات نے اجتماعی سرگرمیوں میں بھر پور کردار اداء کیا۔ جن خواتین کو اسلام کی تعلیمات کا بغور مطالعہ اور مشاہدہ کرنے کا اتفاق ہوا تو ان خواتین نے اسلام کے ان امتیازی خصوصیات سے متأثر ہو کر اسلام کے عہد اول میں گراں قدر سماجی خدمات سرانجام دیں۔ چنانچہ اس عنوان کے تحت اُمہات المؤمنین کی اجتماعی خدمات کا مطالعہ بہت اہم ہے، اسی طرح دوسری صحابیات کے بہت سے قابل تقلید واقعات ہیں، جو انہوں نے اسلام کی روشن تاریخ کے حوالہ سے کئے ہیں۔ تاریخ اسلام کے عہد اول میں عورت ہمیں گھریلو ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے ساتھ ساتھ اجتماعی زندگی کے دیگر شعبوں کا بھی ایک مفید حصہ نظر آتی ہے، بلکہ تاریخ میں مرقوم واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُمہات

المؤمنین اور دوسری صحابیات سماجی اوصاف کو بہت بہتر حد تک جانتی تھیں۔

اشاعتِ اسلام:

اسلام سے پہلے عرب معاشرہ میں صرف پانچ عورتیں پڑھنا جانتی تھیں، ان میں سے دو ایسی تھیں جو پڑھ تو سکتی تھیں، مگر لکھ نہ سکتی تھیں (44) اس صورتحال میں رسول اللہؐ نے کیا طرزِ عمل اختیار کیا اور اس کے کیا نتائج پیدا ہوئے اس کا جائزہ لینے سے پہلے حضورؐ کی ایک حدیث ملاحظہ فرمائیں:

من کانت له جاریة فادبها فاحسن تادیبها و علمها فاحسن تعلیمها و تزوجها فله اجران۔

(45) ''جس کی کوئی لونڈی ہو، سو اس نے اس کی تربیت کی اور اس کو اچھی تعلیم دی پھر اس کو آزاد کر دیا اور اس کا نکاح کر دیا تو اس کو دو اجر ملیں گے''۔

وہ نبیؐ جس نے غلام اور لونڈیوں کی تعلیم و تربیت پر اس قدر اُبھارا ہو تو آزاد خواتین کی تعلیم و تربیت کی طرف کیونکر توجہ نہ دی گئی ہوگی۔ چنانچہ ایک مرتبہ خواتین نے حضورؐ سے درخواست کی:

غلبنا علیک الرجال فاجعل لنا یوماً من نفسک فوعدهن یوماً لقیهن فیه فوعظهن و أمرهن۔

(46) ''تعلیم و تعلم کی آپؐ کی مجلس میں مرد پر غالب آ گئے، سو آپؐ ہمارے لئے ایک علیحدہ دن طے کریں، تو آپؐ نے ان سے (ہفتہ) میں ایک دن ملنے کا وعدہ کیا سو اس دن میں آپؐ خواتین کو وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے''۔

ایسی روایات بھی دستیاب ہیں کہ دورِ اول میں خواتین کی خاصی تعداد بڑے شوق و اشتیاق سے تعلیم حاصل کرنے اور سیکھنے کے لئے ایسی مجالس میں شرکت کیا کرتی تھیں، اور استفادہ کرتی تھیں، خولہ بنت قیسؓ سے روایت ہے، کہتی ہیں:

کنت اسمع خطبة رسول اللہ یوم الجمعة و انا فی مؤخر النساء۔ (47)

''میں حضورؐ کا خطبہ جمعہ سنا کرتی تھی، حالانکہ میں عورتوں کی صفوں میں آخر پر ہوتی تھی''۔

خواتین کے لئے عموماً حضورؐ کے گھر پر ہی تعلیم کا انتظام تھا، رسول اللہؐ کی ان توجہات کا نتیجہ تھا کہ آپؐ کے عہد کی خواتین مردوں کے شانہ بشانہ علم حاصل کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ چونکہ ازواجِ مطہرات کو حضورؐ سے حصولِ علم کے مواقع زیادہ ملے، اس بناء پر ازواجِ مطہرات نے دیگر صحابیات کے بنسبت حضور ﷺ کے علم سے زیادہ استفادہ کیا۔ ازواجِ مطہرات میں اس حوالہ سے اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں:

فاکثر الناس اخذ عنها و نقلوا عنها من الاحکام و الآداب شیأ کثیر احتی قیل ان ربع الاحکام الشرعیة منقول عنها۔ (48)

''لوگوں کی ایک کثیر تعداد نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے علم حاصل کر کے اس کی اشاعت کی۔ احکامِ شرعیہ اور آداب کا ایک بہت بڑا حصہ ان سے منقول ہے، یہاں تک کہا گیا ہے کہ احکامِ شرعیہ کا ایک چوتھائی حصہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے منقول ہے''۔

ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں:

مااشکل علینا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قط فسألنا عائشۃ الا وجدنا عندھا منہ علماً۔(49)

''ہم حضورؐ کے صحابہ کو کبھی کوئی ایسی مشکل پیش نہیں آئی کہ ہم نے عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا ہو اور اس کے بارہ میں ان کے پاس علم نہ پایا ہو''۔

ابن سعدؒ کہتے ہیں:

وکانت عائشۃ تفتی فی عھد عمر و عثمان الی ان ماتت یرحمھا اللہ (50)

''حضرت عائشہؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان کے دور میں فتویٰ دیا کرتی تھیں، یہاں تک کہ انہوں نے وفات پائی''۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بیان کردہ روایات کی تعداد ۲۲۱۰ ہے (51) ابن حجر کرتے ہیں اصحاب رسول میں وہ صحابہ جنہیں سب سے زیادہ حضورؐ کی احادیث روایت کرنے کا اعزاز حاصل ہے، ان سات صحابہ میں سے آپؓ چوتھے نمبر پر ہیں۔ (52) جبکہ حضرت عائشہ کے شاگردوں کی تعداد ۲۰۰ سے زائد ہے، جن میں سے خاص خاص یہ ہیں: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، ابن عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ جیسے حفاظِ حدیث اور علقمہ بن قیسؒ، سعید بن المسیبؒ جیسے فقیہ بھی شامل ہیں۔ (53) حضرت عائشہؓ کے علم کا دائرہ صرف علم شرعی تک نہیں بلکہ دیگر علوم پر بھی انہیں خصوصی مہارت حاصل تھی۔ چنانچہ آپؓ علم طب، علم تاریخ، ادب، خطابت اور شاعری اور علم الانتساب میں بھی مہارت تامہ رکھتی تھیں۔ (54) عروہ بن زُبیر کہتے ہیں:

مارأیت احدا اعلم بالقرآن ولا بفرائضہ ولا بحلال ولا بحرام ولا بشعر ولا بحدیث العرب ولا بنسب من عائشۃ رضی اللہ عنہا۔(55)

''میں نے حضرت عائشہؓ سے زیادہ قرآن کا علم رکھنے والا نہیں دیکھا، قرآن کے فرائض، اس کے حلال وحرام کو جاننا، شعر، عربوں کے حالات اور ان کے نسب ناموں کا علم حضرت عائشہؓ سے زیادہ جاننے والا میں نے کوئی نہ دیکھا''۔

www.rahimia.org

حضرت اُمِّ سلمہؓ:

حضرت اُم سلمہ کا علمی پایہ ازواجِ مطہرات میں حضرت عائشہؓ کے بعد سب سے بلند ہے، یہ بھی علم شرعی کے علاوہ طب، شاعری اور علم کلام میں درک رکھتی تھیں، محمود بن لبید کا بیان ہے:

کان ازواج النبی یحفظن من حدیث النبیؐ کثیر اًمثلاً لعائشۃ و ام سلمۃ۔(56)

''نبیؐ کی اکثر بیویاں حضورؐ کی احادیث زبانی یاد کرلیا کرتی تھیں، مثلاً عائشہؓ اور اُم سلمہ ؓ''۔

قرآن و حدیث میں گہرائی، سمجھ اور آپؓ کا علمی پایہ اتنا بلند تھا کہ نئے پیش آمدہ مسائل پر آپؓ فتویٰ دیا کرتی تھیں۔ ان کے فتاویٰ کثیر تعداد میں ہیں، جن میں سے ایک رسالہ مرتب کیا جاسکتا ہے۔ (57)

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ:

اسماء بنت ابی بکرؓ وہ حوصلہ مند صحابیہ ہیں کہ جب حضورؐ نے ہجرت فرمائی اور غارِ ثور میں تین دن قیام فرمایا تو دن بھر کے حالات کی اطلاع حضورؐ کو یہی آکر دیا کرتی تھیں۔ کفار سے اس بابت انہیں مار بھی کھانا پڑی۔ اشاعت اسلام کے لئے ان کی خدمات کے حوالہ سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ آپؓ نے عبداللہ بن زُبیرؓ جیسے بہادر اور علم و فضل کے پیکر کی تربیت کی۔ ان کے علمی پائے کا اس قدر بلند ہونا اس عظیم ماں کی تربیت کا منہ بولتا ثبوت ہے، آپ کی روایت کردہ احادیث ۱۵۶ ہیں۔ (58)

حضرت عمرہؓ بنت عبدالرحمن:

یہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے علم کی وارث تھیں۔ امام زہریؒ کہتے ہیں کہ بعض اہل علم کے توجہ دلانے اور مشورہ کی وجہ سے میں نے عمرہؓ کی مجلس (علم) میں حاضر ہونا شروع کیا تو میں نے جانا کہ وہ واقعتاً علم کا نہ ختم ہونے والا سمندر ہیں۔ انہیں علم حدیث میں اتنا بلند مقام حاصل تھا کہ امام زہریؒ، یحییٰ بن سعید القطان اور ابوبکر بن حزمؒ جیسے یگانہ روزگار محدثین ان کی خدمت میں برائے استفادہ حاضر ہوتے تھے اور ان کی شہرت اور علم میں ممتاز مقام کا یہ عالم تھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ابن حزمؒ کو کہا کہ عمرہؓ بنت عبدالرحمن کی روایت کردہ احادیث قلمبند کی جائیں۔ (59)

حضرت اسماء بنت عمیسؓ:

یہ ایک عالمہ فاضلہ خاتون تھیں، نبی اکرمؐ سے اکثر مسائل دریافت کرتی تھیں۔ علم حدیث کی معرفت کے علاوہ

یہ علم تعبیر الرؤیا (خوابوں کی تعبیر کے علم) کی ماہر تھیں (60) آپ کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ٦٠ ہے، جنہیں چند بڑے صحابہ اور بکثرت تابعین نے آپؓ سے روایت کیا ہے۔ (61)

حضرت نفیسہؓ:

حضرت علیؓ کی اولاد میں نفیسہؓ کے علم و فضل کا یہ عالم تھا کہ امام شافعیؒ جیسے عالم، مصر میں ان کی مجلس میں باقاعدگی کے ساتھ درس کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ (62)

حضرت عمر فاروق ؓ کے ایمان لانے کا سبب:

عمر فاروقؓ سے اسلام کو جو شوکت ملی وہ سب جانتے ہیں۔ ان کے ایمان لانے کا سبب ان کی بہن فاطمہؓ بنی تھیں۔ حضرت عمر فاروقؓ جب اپنے بہنوئی کو مار مار کر تھک گئے اور بہن کا جسم لہولہان ہوگیا، اس حالت میں ان کی زبان سے نکلا کہ عمر! جو بن آئے کرو، لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا۔ ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر ایک خاص اثر کیا، بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا، ان کے بدن سے خون جاری تھا یہ دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی اور پھر ایمان لے آئے۔ (63) ایک صحابیہ لبینہ تھیں یہ ایک کنیز تھیں ان کو بھی قبل از اسلام حضرت عمرؓ بہت مارتے تھے، بے تحاشہ مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ ذرا دم لے لوں تو پھر ماروں گا مگر وہ ایمان پر قائم رہیں۔ (64)

حضرت اُم شریکؓ:

اُم شریک کفار سے چھپ کر قریش کی عورتوں کو دعوتِ اسلام دیا کرتی تھیں، قریش کو اس بات کو علم ہوا تو انہوں نے ان خواتین کو مکہ سے نکال دیا۔ (65)

حضرت اُم سلیمؓ:

صحابیات میں دعوتِ اسلام کا جذبہ اس حد تک تھا کہ مال و متاع کی پرواہ نہ کرتی تھیں، چنانچہ اُم سلیمؓ کے واقعات میں لکھا ہے کہ جب حضرت ابوطلحہؓ نے کفر کی حالت میں ان سے نکاح کرنا چاہا تو اُم سلیمؓ نے کہا اسلام قبول کرلو، وہی میرا مہر ہوگا، چنانچہ وہ مسلمان ہوگئے، الفاظِ حدیث یہ ہیں:

وقالت اذا اسلم فهو صداقي۔ فاسلم فكان صداقها اسلامه۔ (66)

حضرت خولہؓ کی حضرت عمرؓ کو نصیحت:

حضرت خولہؓ نے ایک مرتبہ حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ اے عمر! ایک وقت تھا کہ میں نے تم کو عکاظ کے بازار

میں دیکھا تھا اس وقت تم عمیر کہے جاتے تھے، تم ہاتھ میں لکڑی لئے بکریاں چراتے تھے، پھر وہ وقت آیا کہ تم عمر کہے جانے لگے اور اب تم امیر المؤمنین کہے جاتے ہو۔ دیکھو! رعایا کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہنا اور یاد رکھو کہ جو شخص اللہ کی پکڑ سے ڈرتا ہے، اس کے لئے دور کا آدمی بھی قریبی رشتہ دار کی طرح ہوتا ہے اور جو آدمی موت سے نہیں ڈرتا اس کے بارہ میں ڈر ہے کہ وہ اس چیز کو کھو دے گا جس کو وہ چاہتا ہے۔ (67)

تاریخ اقوام میں ایسی مثالیں نہیں ملتیں کہ جہاں خواتین حکمرانوں اور نظام پر اس طرح بے دھڑک گفتگو کرتی ہوں اور ان کی بات سنی جاتی ہو۔ یہ شرف اسلام کو حاصل ہے کہ اس نے خواتین کو فرش سے اوج تک پہنچا دیا۔

ازواجِ مطہرات اور دیگر صحابیات نے تحصیل علم اور اشاعتِ اسلام میں اس دلجمعی سے حصہ لیا کہ خواتین اسلام میں یہ ذوق صدیوں تک جاری رہا، چنانچہ امام دار ہجرہ امام مالکؒ کی صاحبزادی کو اللہ نے حدیث مبارکہ میں اس قدر ملکہ عطاء کیا تھا کہ طالب علم اگر آپ کی کتاب (مؤطا) پڑھتے ہوئے کہیں غلطی کرتا تو صاحبزادی اندر سے دروازہ کھٹکھٹاتیں تو امام موصوف طالب علم سے کہتے ہیں:

پھر پڑھو! تم غلطی کر رہے ہو، چنانچہ طالب علم دوبارہ پڑھتا اور جان لیتا کہ پہلے اس نے غلطی کی تھی۔ (68)

ھجیمہ بن حی الدمشقیہ:

یہ ایک تابعیہ عالمہ تھیں۔ انہیں علم حدیث و فقہ میں یدطولیٰ حاصل تھا، حدیث میں ان کی مہارت کا یہ عالم تھا کہ وہ محدثین جن کو روایت حدیث میں بنیادی حیثیت حاصل ہے، ان کے تلامذہ میں شامل ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

سالم بن ابی الجعدؒ، زید بن اسلمؒ، شہر بن حوشبؒ، صفوان بن صفوانؒ، اسماعیل بن عبید اللہ بن ابی المہاجرؒ، ابو حازم بن دینار المدینیؒ، طلحہ بن عبد اللہ بن کریزؒ، عبد اللہ بن ابی زکریاؒ، عثمان بن حیان الدمشقی ؒ، عطاء الکیخارانی، مکحول شامی، رجا بن حیوۃؒ، میمون بن مہرانؒ اور جیب بن ابی عمرۃؒ۔ (69)

آٹھویں صدی ہجری کی ایک مشہور خاتون عائشہ بنت علی بن محمد گزری ہیں، یہ بے مثال محدثہ اور حافظہ تھیں، ان کے پاس بڑے بڑے علماء برائے استفادہ آیا کرتے تھے۔ (70)

نویں صدی ہجری میں ایک خاتون فاطمہ بنت احمد بن یحییٰ ہوئی ہیں، جو نہ صرف علم و فضل میں درجہ کمال کو پہنچی ہوئی تھیں، بلکہ وہ استنباطِ احکام کی صلاحیت سے بھی بہرہ ور تھیں اور اپنے والد کے ساتھ بہت سے مسائل پر بحث کیا کرتی تھیں۔ (71) ان حالات میں ایک دلچسپ بات یہ لکھی ہے کہ ان کے شوہر بڑے عالم تھے اور تعلیم و تعلم کا فریضہ انجام دیتے تھے، دورانِ تعلیم کسی مسئلہ میں جب وہ اپنے آپ کو عاجز پاتے تو گھر آتے اور اپنی بیوی سے اس کا حل پوچھتے تو وہ مسئلہ حل کر دیتیں۔ موصوف باہر آ کر طلباء کو بتلاتے تو طلبہ برملا کہتے: ''لیس ھذا منک بل من وراء

www.rahimia.org

الحجاب''، یہ وضاحت آپ کی طرف سے نہیں بلکہ پردے کے پیچھے والی کی طرف سے ہے۔

قرونِ وسطیٰ میں بہت سی خواتین نے لوگوں کے تحصیل علم کے لئے مختلف درس گاہیں قائم کیں، جن سے نہ صرف خواتین بلکہ مرد بھی فیضیاب ہوئے۔ چنانچہ جامعہ زیتونیہ تونس کی قدیم مسجد اور اسلامی درس گاہ ہے، جسے بنوحفص کے حکمران مستنصر کی بیوی عطف نے 1283ء میں قیروان (موجودہ تونس) میں تعمیر کیا تھا۔ بڑے بڑے علماء یہاں سے اُٹھے، ابن خلدون نے ابتدائی تعلیم اسی درس گاہ میں حاصل کی تھی۔ مصر میں مدرسۃ العاشوریہ، عاشورہ بنت ساروح نے بنوایا تھا، مدرسہ القطبیۃ شہزادی عصمت الدین بن الدادی نے قائم کیا۔ دمشق میں بہت سے مدارس خواتین کے قائم کردہ ملتے ہیں، جن میں مدرسہ الصاحبیہ شہزادی رابعہ بن نجم الدین، مدرسہ العذ ارویۃ، شہزادی بنت نور الدولہ، مدرسۃ الشامیۃ ابرامیۃ الجوابیۃ شہزادی صلت الشام بنت نجم الدنی، مدرسہ الاتا بکیۃ خاتون بنت عز الدین زوجہ الاشرف النبی اور ایک عام خاتون زوجہ شجاع الدین الدماغ کا قائم کردہ مدرسۃ الدماغیۃ مشہور ہیں۔ اس طرح ماہم بیگم نے ایک مدرسہ دہلی میں خیر المنازل کے نام سے قائم کیا تھا۔(72)

جنگی خدمات

اشاعت دین کی راہ میں ایک مشکل یہ پیش آتی ہے کہ دین دشمن قوتیں، حق کو خاطر میں نہیں لاتیں اور اپنے مخاطب کو راہ سے ہٹانے کی ہر ممکن تدابیر اختیار کرتی ہیں، بعض اوقات نوبت میدانِ جنگ تک جا پہنچتی ہے، اس صوتحال کا سامنا نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہوا۔ اس امر میں صحابہؓ کرام نے نہ صرف آنحضرتؐ کی مکمل اطاعت و اتباع کی بلکہ مشن اور ارفع مقاصد کے لئے مال و جان قربان کرنے کی ایسی مثالیں قائم کیں کہ کوئی بھی اجتماعیت پسند جماعت رہتی دنیا تک انہیں نظر انداز نہیں کرسکتی۔ اس امر میں صحابیات بھی پیچھے نہ رہیں بلکہ اس حوالہ سے حیران کن واقعات تاریخ اپنے اوراق میں محفوظ رکھتی ہے، صحابیات نے جس جوش، خلوص، عزم اور استقلال سے اس فریضہ کو نبھایا، اس کی نظیر مشکل سے مل سکے گی۔ اس ضمن میں چند واقعات ملاحظہ ہوں۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ:

لما کان یوم احد انہزم الناس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ولقد رأیت عائشہ رضی اللہ عنہا بنت ابی بکر و أم سلیم رضی اللہ عنہا وانہا لمشمرتان، اریٰ خدم سوقہما تنقزان القرب علی متونہما تفرغانہ فی افواہ القوم ثم ترجعان فتملانہا ثم تجیئان فتفرغانہا فی افواہ القوم۔(73)

''جس دن غزوہ احد کے موقع پر لوگ حضورؐ کو چھوڑ کر شکست کھا گئے تھے، میں نے دیکھا کہ عائشہؓ اور اُم سلیمؓ پائنچے چڑھائے ہوئے مشک بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ مشک خالی ہوجاتی تھیں تو جا کر بھر لاتی تھیں''۔

اس غزوہ میں اُم عمارہؓ نے رسول اللہؐ کے دفاع میں مردوں کی سی ثابت قدمی اور بے با کی و شجاعت کا مظاہرہ

www.rahimia.org

کیا، عین اس وقت جب کفار نے عام حملہ کر دیا، اکثر صحابہ کرامی عمومی لڑائی میں مشغول ہو گئے اور آنحضرتؐ کے ساتھ چند صحابہؓ رہ گئے، حضرت اُم عمارہؓ تیر اور تلوار سے انہیں روکتی تھیں، یہاں تک کہ ابن قیمہ جب آنحضرتؐ کے بالکل قریب پہنچ گیا تو اُم عمارہؓ نے بڑھ کر روکا، چنانچہ آپؓ کے کندھے پر گہرا زخم آیا، اُم عمارہؓ نے بھی تلوار ماری مگر وہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا، اس لئے جوابی حملہ کارگر نہ ہوا (74) چنانچہ حضورؐ نے ان الفاظ میں اُم عمارہؓ کی تعریف فرمائی:

وماالتفت یمیناولاشمالاولاوانااراھاتقاتل دونی۔(75)

''میں نے جب بھی اپنے دائیں بائیں دیکھا تو اُم عمارہؓ کو دیکھا کہ میری حفاظت کے لئے لڑ رہی ہیں''۔

غزوہ خندق میں ہمت و استقلال اور شجاعت و بہادری کی تاریخ جہاں صحابہؓ نے رقم کی وہاں صحابیات بھی پیچھے نہ رہیں، چنانچہ حفاظت کے نقطہ نظر سے خواتین جس قلعہ میں تھیں، وہ بنو قریظہ کی آبادی سے متصل تھا۔ یہودیوں نے یہ دیکھ کر کہ تمام جمعیت آنحضرتؐ کے ساتھ ہے قلعہ پر حملہ کیا، ایک یہودی قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گیا اور قلعہ پر حملہ کا موقع ڈھونڈ رہا تھا۔ حضرت صفیہؓ (آنحضرتؐ کی پھوپھی) نے دیکھ لیا۔ مستورات کی حفاظت کے لئے حضرت حسانؓ متعین کر دیئے گئے تھے۔ حضرت صفیہؓ نے ان سے کہا کہ اُتر کر اس کو قتل کر دو ورنہ یہ جا کر دشمنوں کو پتہ دے گا، حضرت حسانؓ کو ایک عارضہ ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ لڑائی کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے تھے، اس بناء پر اپنی معذوری ظاہر کی اور کہا کہ میں اس کام کا ہوتا تو یہاں کیوں ہوتا؟ حضرت صفیہؓ نے خیمہ کی ایک چوب اُکھاڑی اور اُتر کر یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ سر پھٹ گیا، بعد میں اس کی گردن کاٹ کر قلعہ کے نیچے پھینک دی، یہودی مرعوب ہو گئے اور ان کو حملہ کی جرأت نہ ہوئی۔ (76)

حضرت انسؓ ایک اہم واقعہ بیان کرتے ہیں:

ان ام سلیم اتخذت یوم حنین خنجر اًفکان معھا فر آھا ابو طلحۃ ﷺ فقال یا رسول اللہ ھذا ام سلیم ﷺ معھا خنجر فقال لھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماھذا الخنجر قالت اتخذتہ ان دنا منی احلمن المشرکین بقرت بہ بطنہ فجعل رسول اللہ یضحک۔(77)

''غزوۂ حنین کے موقع پر حضرت اُم سلیم خنجر ہاتھ میں لئے ہوئے پھر رہی تھیں، حضرت ابوطلحہؓ نے حضور کو اس طرف متوجہ کیا۔ حضورؐ نے اُم سلیمؓ سے پوچھا یہ خنجر کیاں لئے پھر رہی ہو، کہنے لگیں، اگر کوئی مشرک میرے قریب آیا تو اس کا پیٹ پھاڑ دوں گی۔ ان کی اس بات پر نبی کریمؐ ہنسنے لگے''۔

غزوۂ حنین میں ایک وقت ایسا آیا کہ اسلامی فوج کے قدم اُکھڑ گئے تو اس تشویش کی حالت میں حضرت اُم حکیمؓ بنت حارث چند باہمت نفوس کے ساتھ پہاڑ کی طرح جمی رہیں۔ (78)

www.rahimia.org

جنگ یرموک میں حضرت اسماء بنت یزید انصاریہؓ نے خیمہ کی چوب سے 9 رومیوں کو قتل کر دیا تھا، الفاظِ حدیث یہ ہیں:

وقتلت یومئذ تسعۃ من الروم بعمود فسطاطھا۔(79)

زخمیوں کی مرہم پٹی:

غزوات میں قتال کے علاوہ صحابیات اور دیگر خدمات بھی انجام دیا کرتی تھیں، مثلاً پانی پلانا، زخمیوں کو میدان سے اُٹھا کر لے جانا، تیر اُٹھا کر دینا، خورد ونوش کا انتظام کرنا، قبر کھودنا اور فوج کو ہمت دلانا، چنانچہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یغزو بام سلیم و نسوۃ من الانصار معہ اذا غذا فیسقین الماء ویداوین الجرحی۔(80)

''غزوہ میں انصاری خواتین اور اُم سلیمؓ حضورؐ کے ساتھ شریک ہوتی تھیں، یہ پانی پلانے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کا کام کرتی تھیں''۔

حضرت اُم عطیہ انصاریہؓ نے حضورؐ کے ساتھ سات غزوات میں شرکت کی، آپؓ فرماتی ہیں:

اخلفھم فی رحالھم و اصنع لھم الطعام وادوی الجراحی واقوم علی المریض۔(81)

''میں لڑنے والوں کے کجاووں کی دیکھ بھال کے لئے پیچھے رہتی اور ان کے لئے کھانا پکاتی اور زخمیوں کا علاج کرتی اور مریضوں کی نگہداشت کرتی تھی''۔

ربیع بنت معوذ کہتی ہیں:

کنا مع النبیؐ نسقی ونداوی الجراحی ونرد القتلی الی المدینۃ۔(82)

''ہم حضورؐ کے ہمراہ ہوتیں، ہم پانی پلاتیں اور زخمیوں کا علاج کرتیں اور مقتولین کو مدینہ پہنچاتی تھیں''۔

اُم زیادؓ چند صحابیات کے ساتھ غزوۂ خیبر میں حضورؐ کی بلا اجازت جب پہنچیں تو حضورؐ ناراض ہوئے، اس پر حضرت ام زیاد عرض کرتی ہیں:

انما خرجت مع رسول اللہؐ فی غزوۃ خیبر سادس ست نسوۃ فبلغ رسول اللہ فبعث الینا فجئنا فرأینا فیہ الغضب فقال مع من خرجتن و باذن من خرجتن فقلنا یا رسول اللہ خرجنا نغزل الشعر و نعین بہ فی سبیل اللہ و معنا دواء الجرحی و نناول السھام و نسقی السویق فقال حتی اذا فتح اللہ علیہ خیبر اسھم لنا کم اسھم للرجال۔(83)

''ہمیں اون بنانی آتی ہے، جو مجاہدین کے بستروں اور آرام کے لئے کام آئے گی۔ زخمیوں کی دوائی کا سامان ہمارے پاس ہے، کچھ نہیں تو مجاہدین کو تیر ہی پکڑاتی رہیں گی، اور جو بیمار ہوگا اس کی تیمار داری کریں گے، خوراک مہیا کریں گی۔ کہتی ہیں، جب فتح ہوگئی تو حضورؐ نے ان خواتین کو مالِ غنیمت میں سے مردوں کے برابر حصہ دیا''۔

حضرت فاطمۃ الزہرہؓ کے بارہ میں آتا ہے:

عن ابی حازم سمع سهل بن سعد وهو يسأل عن جرح رسول اللهﷺ فقال اما والله انی لاعرف من كان يغسل جرح رسول الله ومن كان يسكب الماء وبما دووی قال كانت فاطمة بنت رسول اللهﷺ تغسله، وعلی بن ابی طالب يسكب الماء بالمجن فلما رأت فاطمة ان الماء لا يزيد الدم الا كثرة اخذت قطعة من حصير فاحرقتها والصقتها فاستمسك الدم۔(84)

''ابو حازم سہل بن سعد سے حضورؐ کے زخم کے بارہ میں پوچھتے ہیں تو انہوں نے کہا اللہ کی قسم مجھے معلوم ہے کہ کون حضوؐر کا زخم دھو رہا تھا اور کون پانی ڈال رہا تھا اور کس چیز سے دواء کی گئی، کہتے ہیں حضوؐر کی صاحبزادی فاطمہؓ دھو رہی تھیں اور علیؓ ڈھال سے پانی ڈال رہے تھے، پھر جب فاطمہؓ نے دیکھا کہ خون نہیں رُک رہا تو چٹائی کا ایک حصہ جلایا اور زخم پر لگا دیا تو خون رُک گیا''۔

صفیہ بنت عبد المطلب وہ خاتونِ اسلام ہیں، جنہوں نے مشرکین کے ایک آدمی کو قتل کیا تھا، چنانچہ ابن اثیر کہتے ہیں:

وهی اول امرأة قتلت رجلا من المشركين۔(85)

غزوات میں شریک ہو کر مختلف خدمات دینے والی چند دیگر صحابیات کے نام یہ ہیں، ام ایمنؓ، حمنہؓ بنت جحش، سلمیٰؓ زوجہ ابو رافع، قبیلہ اشہلہ کی ایک خاتون ام عامرہؓ، ام خلادؓ انصاریہ، کبیشہؓ بنت سعید اور میصادرؓ زوجہ ابوطلحہ۔(86)

بے مثال صبر و استقامت:

حضرت صفیہؓ (حضرت حمزہ کی بہن) حضرت حمزہؓ کی دلدوز شہادت کی خبر سن کر مدینہ سے نکلیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے صاحبزادے حضرت زبیرؓ کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ چچا کی لاش کی بہت بے حرمتی کی گئی ہے، شاید صفیہؓ برداشت نہ کر پائیں اس لئے انہیں حمزہؓ کی لاش نہ دیکھنے دینا، حضرت زبیرؓ نے آنحضرتؐ کا پیغام انہیں سنایا، بولیں کہ میں اپنے بھائی کا ماجرا سن چکی ہوں، لیکن خدا کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں۔ آنحضرتؐ نے اجازت دے دی۔ لاش پر گئیں، خون کا جوش تھا اور عزیز بھائی کے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے، لیکن **انا للہ و انا الیہ راجعون**

کہہ کر چپ ہو رہیں اور مغفرت کی دعا مانگی۔ (87)

دورِ خلفائے راشدین:

خلفائے راشدین کے دور میں بھی خواتین جہاد میں شریک ہوتی رہیں، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ۱۵ھ میں دمشق پر لشکر کشی کی، حضرت ابوعبیدہؓ اور خالد بن ولیدؓ نے بھی دمشق کا محاصرہ چھوڑ کر اجنادین کی طرف پیش قدمی کی، اس موقعہ کو غنیمت جان کر اہل دمشق نے مسلمان عورتوں کو گرفتار کر کے قلعے کا رُخ کیا تو خولہ بنت الازورؓ نے کہا:

''بہنو کیا تم یہ بے غیرتی گوارہ کر سکتی ہو کہ مشرکین کے تصرف میں آجاؤ، کیا تم عربوں کی حمیت وغیرت کو داغدار بنانا چاہتی ہو، میرے نزدیک تو ایسی ذلت سے موت بہتر ہے''۔ خولہ کے ان الفاظ نے عورتوں میں جوش و ولولہ پیدا کر دیا، خولہؓ اور عفیرا بنت غفارؓ اور اُم ابانؓ بنت عتبہ، سلمہؓ بنت زراع نے اہل دمشق کے تین آدمیوں کو مار گرایا، اس کشمکش کے دوران مسلمانوں کی فوج آ گئی اور انہوں نے دمشقیوں کو پسپا کر دیا۔ (88)

حضرت اُم حکیمؓ اپنے شوہر کی شہادت کا منظر دیکھ رہی تھیں، اس وقت جوش سے اُٹھیں اور زخمی شیرنی کی طرح بڑھ کر حملے کرتی تھیں اور اپنی چوب سے سات رومیوں کو مار گرایا۔ (89)

معاشی سرگرمیاں:

ازواجِ مطہرات اور دیگر صحابیات اشاعت اسلام، جنگی خدمات کے علاوہ معاشی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتی تھیں۔ ایسی کئی صحابیات ہیں، جن میں حصول روزگار کے لئے معاشی سرگرمیوں کا رجحان اور صلاحیت تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس عمل سے کبھی نہیں روکا بلکہ بعض حالات میں ان کی اس صلاحیت سے فائدہ بھی اُٹھایا جاتا تھا، چنانچہ:

شفاء بنت عبداللہؓ کو حضور ﷺ نے مدینہ کے ایک بازار میں ایک معاشی ذمہ داری سونپی تھی، وہاں عورتیں سامانِ تجارت لاتی تھیں۔ (90)

ازواجِ مطہرات میں حضرت خدیجہؓ کا قبل از اسلام ہی کاروبار منظم تھا، اسلام لانے کے بعد ان کی کاروباری سرگرمی جاری رہی اور حضورؐ نے انہیں منع نہیں فرمایا بلکہ ایک موقع پر ان کی تحسین فرمائی کہ انہوں نے میری بہت مالی معاونت کی ہے۔ (91)

کئی ازواجِ مطہرات خود اپنے ہاتھ سے اپنا معاش پیدا کرتیں اور اللہ کی راہ میں لٹا دیتیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں: میری خالہ کو ان کے خاوند نے طلاق دے دی تو عدت کے دوران ہی حصولِ روزگار کے لئے انہوں نے چند پیڑ کاٹنے (اور فروخت کرنے) کا ارادہ کیا تو ایک شخص نے انہیں اس کام کے کرنے سے سختی سے منع کیا۔ خالہ حضور ﷺ کی خدمت میں استفسار کے لئے گئیں تو آپؐ نے جواب دیا:

www.rahimia.org

اخرجی فجدی نخلک لعلک ان تصدقی منہ او تفعلی خیراً۔(92)

''کھیت میں جاؤ اور اپنے کھجو کے درخت کاٹو، اس رقم سے بہت ممکن ہے تم صدقہ وخیرات یا کوئی بھلائی کا کام کرسکو''۔

حضرت جابرؓ کی خالہ کا یہ واقعہ کاشت کاروں کے کاموں سے ان کا تعلق ظاہر کرتا ہے۔

اسی طرح ایک اور واقعہ ہے، حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق ؓ کی شادی حضرت زبیرؓ سے ہوئی۔ یہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تھے اور عسرت کا شکار تھے، حضور ﷺ نے ضروریات پوری کرنے کے لئے حضرت زبیرؓ کو زمین کا ایک ٹکڑا دیا، جو مدینہ سے باہر دو میل کے فاصلہ پر تھا۔ حضرت اسمائؓ کہتی ہیں، یہ میری ذمہ داری تھی کہ میں زبیرؓ کے اونٹ اور گھوڑے کا چارہ کاٹ کر لاتی اور فرماتی ہیں:

کنت انقل النوی من ارض الزبیر التی اقطعہ رسول اللہ علی رأسی۔(93)

''میں زبیرؓ کی اس زمین سے جو انہیں رسول اللہ ﷺ نے دی تھی سے زمین سے کھجوروں کی گھٹلیاں اپنے سر پر رکھ کر لاتی تھی''۔

بعض صحابیات کے بارہ میں ایسی شہادتیں ملتی ہیں کہ وہ بعض کاروبار کیا کرتی تھیں۔ حضرت خدیجہؓ کا تذکرہ گزر چکا، ان کے علاوہ ملیکہ ام السائب کے بارہ میں آتا ہے:

کانت تبیع العطر۔(94)

''وہ عطر کا کاروبار کرتی تھیں''۔

حضرت حفصہؓ کے بارہ میں ابن سعد کہتے ہیں کہ:

''ان کا ریشم کا کاروبار تھا''۔(95)

صحابیات حضور ﷺ کے بعد بھی اپنی معاشی سرگرمیوں کو جاری رکھتی ہیں اور خلافت راشدہ میں انہیں یہ آزادی حاصل رہی، یہاں تک کہ امورِ تجارت میں ان کی مہارت سے اجتماعی فائدہ بھی اُٹھایا۔ چنانچہ حضرت اُم سلیمان بنت ابی حتمہ سے تجارتی اُمور میں حضرت عمرؓ نہ صرف مشورہ کیا کرتے تھے، بلکہ آپؓ بعض اوقات بازار اور تجارتی سرگرمیوں کا انہیں نگران بھی مقرر فرمایا، چنانچہ ابن حجر کہتے ہیں:

و کان عمر یقدمہا فی الرأی و یرعاہا و یفضلہا و ربما ولاہا شیأ من امر السوق۔(96)

عہد نبویؐ اور دورِ خلفائے راشدینؓ کی تاریخ سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ خواتین کو معاشی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی اجازت تھی، لہٰذا اگر کسی کے گھریلو اور مالی حالات ایسے ہیں کہ خواتین کو معاشی سرگرمیوں کی ضرورت ہے، یا ایسے مواقع ہیں، کہ خواتین کی عفت وعصمت کی حفاظت اور ان کی صنفی ذمہ داریوں اور ضروریات کا لحاظ رکھ کر انہیں فائدہ اُٹھانے کا موقع دیا جاسکتا ہے، تو شریعت میں اس کی گنجائش موجود ہے اور اسلام نے دیگر اُمور کی طرح اس

www.rahnuma.org

امر میں بھی عورت کو کھلا راستہ دیا ہے، تاہم ضرورت و اجازت اور اپنے اوپر لازم کر لینا، دو الگ الگ چیزیں ہیں۔

سیاسی سرگرمیاں

ازواجِ مطہرات اور دیگر صحابیات سیاسی اُمور میں دلچسپی اور شعور اسی طرح رکھتی تھیں جیسے دیگر اجتماعی امور میں ان کا بھرپور کردار اور شرکت عہدِ نبویؐ اور دورِ خلفائے راشدینؓ میں رہی ہے۔ اس امر میں صحابیات کا یہ رجحان فکر و عمل خود قرآن کی راہنمائی اور اس بابت حضورؐ کی حوصلہ افزائی اور قدر دارنی کا نتیجہ ہے، چنانچہ فکر و عمل کی آلودگیوں سے پاک کرنے اور مستقبل میں ذمہ دارانہ کردار اداء کرنے کے لئے قرآن جو ہدایات مردوں کو دیتا ہے، وہی خواتین کو بھی دیتا ہے، بلکہ آیت مبارکہ میں اصل خطاب خواتین کو ہے، ارشادِ الٰہی ہے:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا۔۔۔۔الآیۃ۔(97)

''اے نبی مومن خواتین آپ کے دستِ ہدایت پر جب یہ عہد کرنا چاہیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گی، نہ چوری کریں گی، نہ عمل بد (زنائ) کریں گی، نہ اپنی اولادوں کو قتل کریں گی، نہ کسی پر ایسا الزام لگائیں گی، جو خود انہوں نے گھڑا ہو، اور نہ یہ خواتین معروف اُمور میں آپ کی نافرمانی کریں گی، (اگر خواتین ان امور کا عہد کریں) تو ان کی بیعت لے لو اور اللہ سے ان کے گناہوں کی بخشش طلب کریں، بے شک اللہ تو مغفرت کرنے والے اور بڑے مہربان ہیں''۔

غور کیجئے جن اجتماعی ذمہ داریوں کے نبھانے کے مرد پابند ہیں، ان امور کی ادائیگی میں قرآن، خواتین کو برابر کا ذمہ دار بنا رہا ہے۔ اس اسلوب اور مضمون کی عمومی آیت قرآن میں صرف اسی جگہ پر ہے اور اس میں بھی خطاب خواتین کو ہے۔ خواتین کے حوالہ سے غالباً درست سوچ دینے کے لئے قرآن نے یہ اسلوب اختیار کیا۔ ایک دوسری جگہ اس مفہوم کو خصوصاً ازواجِ مطہرات کو مخاطب کر کے قرآن کہتا ہے:

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ط 98()

''تذکرہ اور چرچا کیا کرو (اے نبی کی بیویو) ان آیات اور حکمت اور عقل و شعور پر مبنی باتوں کا جو تمہارے گھروں میں بیان کی جاتی ہیں''۔

قرآن حکیم کا یہ وہ مکمل پروگرام ہے، جس کی اشاعت کا ازواجِ مطہرات کے توسط سے صحابیات اور تمام مؤمن خواتین کو پابند کیا جا رہا ہے، چنانچہ ہند بنت السید، اُم ہشام بنت حارثہ، رائطہ بنت حیان اور اُم سعد قرآن مجید کا درس دیا کرتی تھیں اور حضور ﷺ کے مشن کو عام کرنے میں حضرت عائشہؓ کا نام تو صحابیات میں معروف اور سرفہرست ہے۔(99)

قرآن حکیم کے اس حکم کو ازواجِ مطہرات اور دیگر صحابیات نے اچھی طرح سمجھا، اور اپنے عمل و کردار کا بھر

پورا اظہار کیا تاہم قرآنی سیاست کو غالب کرنے کے لئے حضورؐ اور صحابہ مکمل تن دہی اور پوری توانائی صرف کر کے بھر پور کردار اداء کر رہے تھے۔ مشوروں، فیصلوں اور عملی جدوجہد میں کوئی کمی نہ چھوڑی گئی۔ اس فضا سے بعض لوگوں کو یہ شبہ یا غلط فہمی ہوئی کہ اس امر میں شاید خواتین صحابیات کا کوئی کردار نہیں ہے، حقیقتِ امر اس کے برعکس ہے۔ غزوات میں ازواجِ مطہرات و دیگر صحابیاتؓ کی شرکت، عہد نبویؐ میں کئی سیاسی امور میں ازواجِ مطہرات سے حضورؐ کی مشاورت اور دورِ خلفاء میں اسی طرح صحابیات کا سرگرم عمل رہنا مذکورہ مفروضہ کی نفی کرتا ہے۔ اس بابت مردوں کی نسبت خواتین کے کم تذکرے اس دعویٰ کا ثبوت نہیں بن سکتے کہ ان کا کوئی کردار ہی نہیں رہا۔ ان کم تذکروں کا سبب سیاسی اُمور میں عورتوں کی عدمِ شرکت نہیں بلکہ حیا اور پردہ داری کا وہ فطری امر مانع رہا ہے جو ہمیشہ ہر مہذب معاشرہ میں اہمیت کا حامل رہا ہے، اس کے باوجود کئی سیاسی امور میں ان کی شرکت اور غزوات میں سرگرم عمل کردار اصل صورتحال کو آشکارا کر دیتا ہے، اس کے برعکس کوئی مضبوط اور ٹھوس دلیل ایسی نہیں جو اس حقیقت کو رد کرتی ہو۔

اس مسئلہ پر ایک اور طرح بھی غور کیا جا سکتا ہے، وہ یہ کہ احکاماتِ شرعیہ کی پابندی کے لئے جو شرائط (عقل و بلوغ) مردوں کے لئے ہیں وہی عورتوں کے لئے ہیں، اس بابت بعض مخصوص اور استثنائی حالتوں کے سوا مرد و عورت کو برابر مکلف کیا گیا ہے، مثلاً عقائد و عبادات اور یہ کہ قرآن یا حدیث نے یہ کہیں نہیں کہا کہ تجارت کے اصول مرد کے لئے اور ہیں اور عورتوں کے لئے اور، فلاں معاملہ مردوں کے ساتھ اور شرائط کے ساتھ ہوگا اور عورتوں کے ساتھ اور شرائط کے ساتھ، بلکہ عائلی امور میں قرآن نے دونوں کو اپنے اپنے دائرہ اور ضرورت کے لحاظ سے برابر حق دیا اور ہر معاملہ میں معروف (اچھی سماجی اقدار) کا دونوں کو برابر پابند کیا۔ جاننے والے جانتے ہیں عمل و تکلیف (مکلف ہونا) کے ضابطوں کی یہی بنیاد ہے۔ جب عورت عقائد، عبادات، عائلی ذمہ داریوں، معاملات اور تمام اخلاق کی اسی طرح پابند ہے جس طرح کہ مرد تو صرف سیاسی اُمور کو الگ سے دیکھنے کی اساس کیا ہے؟ سچ یہ ہے کہ خود حضورؐ نے ایسا امتیاز بالکل نہیں برتا بلکہ جو خواتین یہ کردار اداء کر سکتی تھیں نہ صرف آپؐ نے ان کی مکمل حوصلہ افزائی فرمائی بلکہ ان کو مشاورت میں بھی شریک کیا، اور صحابیات عہد نبویؐ اور دورِ خلافت راشدہ میں بدستور یہ مبارک فریضہ انجام دیتی رہیں، چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر مشکل یہ پیش آئی کہ شرائط صلح کو صحابہ کرامؓ اپنی کمزوری اور خفت تصور کر رہے تھے۔ اللہ پر مکمل بھروسہ اور دین کی کامیابی کا کامل یقین، بظاہر ان کمزور شرائط کو ماننے کا حوصلہ صحابہؓ کو نہ ہو رہا تھا۔ اس لئے عمر فاروقؓ دیگر صحابہ کی نمائندگی کرتے ہوئے حضورؐ سے مکالمہ کرتے ہیں اور صحابہ پوچھتے ہیں، اے اللہ کے رسول! کیا ہماری قربانی اور وفاداری پر شک ہے کہ دیگر جنگوں میں جرأت و بہادری کا ثبوت دینے والا نبیؐ ان کمزور شرائط پر اپنے دشمنوں سے صلح کر رہا ہے، گویا صحابہ کو یہ گمان گزرا شاید ہم میں کوئی کمزوری ہے، کہ معاہدے کی یہ نوبت آ گئی اور شاید حضور ﷺ اپنے اخلاقِ کریمانہ کی وجہ سے زبان پر نہیں لا رہے۔ حضور ﷺ اپنے جانثار صحابہؓ سے فرماتے ہیں، ہرگز ایسا نہیں ہے۔ اس طرز کے معاہدہ کی اصل روح اور ہے جو وقت کے ساتھ

کھلے گی، لیکن اس سب کے باوجود صحابہؓ کا شرح صدر نہیں ہو رہا تھا۔ دوسری طرف ایک شرعی مسئلہ تھا کہ آپؐ اور صحابہؓ احرام کی حالت میں تھے، شرائط صلح کی وجہ سے اب کی بار عمرہ نہ ہوسکتا تھا، لازماً احرام کھولنا تھا اور صحابہؓ اس کے لئے آمادہ نظر نہ آتے تھے، اس حالت میں حضورؐ خیمہ میں تشریف لے گئے، زوجہ محترم اُم سلمہؓ نے چہرے پر تشویش دیکھی تو سبب دریافت کیا، حضورؐ نے سارا ماجرا کہہ سنایا، جواب میں حضرت اُم سلمہ کہتی ہیں کہ میری رائے یہ ہے کہ آپ کسی سے کچھ کہے بغیر خاموشی سے قربانی کا جانور ذبح کر کے، سر کے بال اُتروا دیں اور احرام کھول دیں، آپ کا عمل مبارک دیکھ کر صحابہؓ ذاتی رائے چھوڑ دیں گے اور خود بخود احرام اُتار دیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (100)

یوں یہ اہم سیاسی معاملہ ام المؤمنین کی سیاسی بصیرت سے حل ہوگیا اور جماعت کے لوگ ایک بڑے بحران سے بچ گئے۔ اس واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضورؐ کی تربیت سے صحابیات سماجی، سیاسی اور اجتماعی امور کو بہتر طریقے سے حل کرنے کا سلیقہ سیکھ چکی تھیں۔ خلفائے راشدین کے دور میں اسی طرح ایک سیاسی پیچیدگی پیدا ہوگئی، یہ صورتحال حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے نتیجہ میں پیدا ہوئی، جماعت صحابہؓ اس معاملہ میں مختلف الرائے ہوگئی اور نوبت میدانِ جنگ تک جا پہنچی، یہاں اس مشکل مسئلہ کا سیاق و سباق ذکر کرنا موضوعِ بحث نہیں، صرف یہ کہنا کافی ہوگا کہ کہ انقلابی جماعتوں کو سیاسی امور میں اس طرح کے حالات کا سامنا ہوجاتا ہے۔ جذباتی اور سطحی سوچ سے ایسے مسائل کی گہرائی تک نہیں پہنچا جاسکتا۔ حقیقت میں اختلاف رائے کی آزادی کی موجودگی میں ایسا ہوجاتا ہے اور اختلافِ رائے کو رد کرنا ارتقاء کو روک دیتا ہے، بہر حال قطع نظر اس کے کہ حقیقی صورتحال کیا تھی۔ ہم دیکھتے اس سیاسی مسئلہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ ایک رائے کے حامل لوگوں کی قیادت کرتی ہیں اور اس امر میں ان کی رائے اور عمل نے معاملہ کو ایک خاص اہمیت اور رُخ دے دیا۔ اس سے یہ نتیجہ اَخذ کیا جاسکتا ہے کہ ازواجِ مطہرات اجتماعی اُمور سے کنارہ کش نہیں رہیں، لہٰذا جب عملی کردار کی نوبت آتی تو وہ اس سے بھی گریز نہ کرتی تھیں، البتہ ایسے واقعات عمومی طور پر نہ ہوئے، اس کا سبب اوپر ذکر ہو چکا، لیکن یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ ایسے (سیاسی) امور میں پس پردہ اور گھریلو گفتگو میں وہ بحثوں میں شریک ہوتی تھیں، چنانچہ حضورؐ فرماتے ہیں:

> ''میں جب کفار سے کوئی بات سنتا اور مجھ کو ناگوار معلوم ہوتی تو میں خدیجہؓ سے کہتا، وہ اس طرح میری ڈھارس بندھاتی تھیں کہ مرے دل کو تسکین ہوجاتی تھی اور کوئی رنج (اجتماعی جدوجہد کا) ایسا نہ تھا جو خدیجہؓ کی باتوں سے ہلکا اور آسان نہ ہوجاتا تھا''۔ (101)

حضور ﷺ کی دینی اور سیاسی جدوجہد میں عورتوں کے کردار کی اس سے بڑی مثال شاید پورے عہد نبویؐ میں نہیں کہ پہلی وحی کی آمد کے بعد جب حضور ﷺ نے اس عظیم ذمہ داری کو نبھانے کی مشکلات کا ادراک کیا، سماجی مشکلات اور بشری تقاضے قطار اندر قطار سامنے تھے، اس ذہنی کیفیت کا تذکرہ آپؐ نے سب سے پہلے اپنی

مشیر خاص حضرت خدیجہؓ سے کیا اور فرمایا خدیجہؓ ! مجھے تو اپنی جان جانے کا خطرہ ہے۔ اس موقع پر حضرت خدیجہؓ نے جو کلمات کہے، وہ اسلام کی تعلیمات کا ایک وقیع حصہ ہی نہیں بلکہ روحِ اسلام اور مزاج و طریق نبویؐ کا حقیقی تعارف ہیں، آپؓ فرماتی ہیں:

کلا واللہ مایخزیک اللہ ابداً انک لتصل الرحم و تحمل الکل و تکسب المعدوم و تقری الضیف و تعین علی نوائب الحق۔(102)

''اللہ آپ کو ہرگز رسوا نہ کریں گے، آپ رشتہ داروں سے حسن سلوک کرتے ہیں، کمزوروں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں، بے روزگاروں کو روزگار فراہم کرتے ہیں، مہمان نواز ہیں اور حق کے معاملہ میں ہمیشہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں''۔

خدیجۃ الکبریٰ ؓ کے یہ کلمات مقاصدِ نبوت کی وضاحت کے ساتھ ہر دور کے داعی حق کے لئے راہنما اصول اور خود اس کے عمل کی پرکھ بتاتے ہیں۔ غور کیجئے ایک خاتون فرائض رسالت کو کس گہرائی کے ساتھ سمجھ رہی ہے۔

آزادیٔ رائے:

نبی اکرمؐ نے صحابیات کو دینی و سیاسی و ریاستی اُمور میں ایسی تربیت دی کہ وہ کھلے ذہن سے ان امور پر سوچتیں اور ضرورت پڑنے پر مناسب انداز سے اپنی رائے کا اظہار کرتیں، اگر بات معقول ہوتی تو اسے مناسب اہمیت بھی دی جاتی، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نے بعض سماجی مسائل اور تقاضوں کے پیش نظر مہر کی مقدار کو کم کرنا چاہا اور اور ایک عمومی اجتماع میں اس پر رائے ظاہر کی تو ایک خاتون اُٹھیں اور حضرت عمر فاروقؓ کی رائے سے اختلاف کیا، اس کے جواب میں حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی رائے پر عمل درآمد روک دیا۔ اصل حدیث ملاحظہ فرمائیں:

قام عمر یدعو الناس الی الکف عن المبالغۃ و المغالاۃ فی المھور فقالت الیہ المرأۃ و قالت لیس ھذا لک یا عمر فانہ تعالی یقول: ''و آتیتم احداھن قنطاراً فلا تأخذوا منہ شیأ'' فقال اصابت امرأۃ و اخطأ عمر۔(103)

''حضرت عمر فاروقؓ منبر پر کھڑے ہوئے اور لوگوں سے کہا کہ تم لوگ عورتوں کے زیادہ مہر نہ باندھو۔ مجلس میں سے ایک عورت اُٹھی اور اس نے کہا کہ اے عمر! اس معاملہ میں آپ کو دخل دینے کا حق نہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: ''اگر تم نے عورتوں کو زیادہ مال دیا تو اس میں سے کچھ نہ لو''، سُن کر حضرت عمرؓ نے اپنی رائے واپس لے لی اور کہا: ''عورت نے صحیح بات کی اور عمرؓ نے خطا کی''۔

عمر فاروقؓ اپنے دور کے حکمران تھے، ان کو ایک عام عورت نے برسرِ عام ٹوک دیا، لیکن عمرؓ ماتھے پر شکن

لائے بغیر نہ صرف اپنی غلطی تسلیم کرتے ہیں، بلکہ مخالف رائے کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے اولین دور میں عورت کو کس قدر شہری خصوصاً معاشی، سیاسی حقوق دیئے گئے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اظہارِ رائے کی آزادی اور اس روشنی میں پالیسیوں کی تشکیل ہی ایک صالح معاشرہ کے قیام کی روح ہے، اسلام کے اولین دور میں اس اصول کو اپنی پوری معنویت کے ساتھ اختیار کیا گیا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ عہدِ نبویؐ میں بھی پیش آیا۔ حضرت بریرہؓ کو جب غلامی سے آزادی ملی تو شرعی حق کی وجہ سے انہیں حق خودارادی بھی ملا کہ چاہیں تو اپنے خاوند (مغیث) جو غلام تھے، ان سے رشتۂ ازدواج برقرار رکھیں یا علیحدگی اختیار کریں۔ انہوں نے علیحدگی کا فیصلہ کیا، ان کے خاوند یہ رشتہ برقرار رکھنا چاہتے تھے اور ان کی پریشانی کا عالم یہ تھا کہ وہ مدینہ کی گلیوں میں حضرت بریرہؓ کے پیچھے پیچھے ہوتے، آنسو ان کی آنکھوں سے جاری ہوتے، اور ڈاڑھی بھیگ جاتی۔ ابن عباسؓ کو حضور نے کہا کیا تمہیں مغیث کی محبت اور بریرہؓ کی بے اعتنائی پر تعجب نہیں آتا۔ اس معاملہ کے حل کے لئے حضورؐ نے حضرت بریرہؓ سے کہا:

لو راجعتنيه، قالت يارسول اللّٰه تأمرني قال انما اشفع قالت لا حاجة لي فيه۔ (104)

''تم اپنی رائے سے رجوع کرلو، بریرہؓ کہنے لگیں، اے اللہ کے رسول میرے لئے یہ آپ کا حکم ہے؟ حضورؐ نے فرمایا: نہیں، میں صرف سفارش کر رہا ہوں تو حضرت بریرہؓ کہنے لگیں پھر مجھے اس مشورے کی ضرورت نہیں''۔

اس حدیث پر غور فرمائیے اور یہ بھی خیال رہے کہ یہ صحابیہ اس جماعت میں سے ہیں، جو حضوؐر کی اطاعت و اتباع میں قطعاً غفلت کا شکار نہیں ہوتی، اسی لئے پہلے پوچھتی ہیں کہ اگر حکم ہے تو سرِ خم تسلیم ہے۔ لیکن وہ اُمور جن میں شریعت حق خود ارادیت دیتی ہے، وہ بغیر کسی دباؤ کے اس حق کو استعمال کرتی ہیں، آزادئ رائے اور حق خود ارادیت کی اس سے بڑی مثال پیش کرنا شاید مشکل ہے۔

خواتین کو صرف ذاتی امور ہی میں یہ آزادی حاصل نہ تھی بلکہ اجتماعی امور میں رائے دینے اور فیصلہ کرنے کا اعزاز بھی ان کو حاصل تھا، چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر حضرت اُم ہانیؓ نے آنحضرتؐ سے عرض کیا، میں نے ابن هيرة کو پناہ دی، لیکن حضرت علیؓ کہتے ہیں، وہ اس کو قتل کر کے رہیں گے۔ آپؐ نے سن کر فرمایا:

قد اجرنا من اجرت یاام ھانی۔ (105)

''اے ام ہانی! جسے آپ نے پناہ دی، ہم نے بھی اسے پناہ دی''۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر عورت کوئی ایسا فیصلہ کرے جو ملک وقوم کے فائدہ میں ہو، اہل اور ذمہ دار لوگ اسے مفید سمجھیں تو محض اس لئے کہ یہ اقدام ایک عورت نے کیا ہے، رد کر دینا، اس حدیث کی روشنی میں غلط قرار پاتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ حدیث ابوہریرہؓ میں **''امور کم الی النساء''** کا مطلب

''مفوضۃالی نساء کم'' ہے یعنی امورِ ریاست اور فیصلوں کا مکمل اختیار صرف عورتوں کے سپرد کر دیا جائے، اس سے خواتین کے کردار کی قطعی نفی نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو حضور ﷺ ایسے (سیاسی) امور میں صحابیات سے کبھی بھی مشورہ نہ کرتے اور اگر وہ از خود مشورہ دے دیتیں تو اسے قبول نہ کرتے جب کہ احادیث مبارکہ میں ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی۔

اہل خواتین سے مشاورت کا یہ سلسلہ دورِ خلفاء میں بھی جاری رہا، چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ اپنے دورِ خلافت میں باقاعدہ خواتین سے مشورہ لیا کرتے تھے، حضرت عمر فاروقؓ کے بعد حضرت عثمانؓ یا حضرت علیؓ میں سے کسی ایک کے انتخاب پر صحابہ کرامؓ میں غور وفکر ہو رہا تھا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ تحقیق کر کے بتائیں کہ لوگ کس کے حق میں رائے رکھتے ہیں، چنانچہ ابن عوفؓ نے بہت سے لوگوں سے مل کر ان کی رائے معلوم کی۔ ابن کثیر کہتے ہیں:

حتی خلص الی النساء المخدرات فی حجابھن (106)

حضرت بریرہؓ بنو اُمیہ کے دور میں مجلس مشاورت کی ذمہ دار ممبر تھیں۔

سیاسی امور میں عورتوں کی شرکت کا معاملہ صرف قرنِ اولیٰ میں ہی نہیں رہا، بلکہ دورِ آخر کے علماء اور فضلاء کے ہاں بھی رہا ہے، جہاں تک آزادیٔ ہند کی تحریک میں بہت سی خواتین کے نام تاریخ اپنے دامن میں محفوظ کئے ہوئے ہے۔ اس حوالہ سے مولانا ابو الکلام آزادؒ کی اہلیہ زلیخا بیگم کے دو واقعات لائق مطالعہ ہیں۔ ایک خاتون، زلیخا بیگم کو کہتی ہیں کیا بات ہے آپ کی آنکھیں سرخ ہوگئی ہیں تو موصوفہ جواب میں کہتی ہیں:

''آج کل مولانا آزاد قرآن پاک کی تفسیر لکھ رہے ہیں، رات کو 2 بجے اُٹھ بیٹھتے ہیں، جتنی دیر لگے وہ لکھتے ہیں، میں پنکھا جھلتی ہوں، موسم بہت گرم ہے، بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ جاگیں، محنت کریں اور میں آرام سے سوتی رہوں''۔ (107)

10 دسمبر 1921ء کو ایک مقدمہ کا فیصلہ سناتے ہوئے جب مولانا آزادؒ کو کلکتہ جیل میں ڈالا گیا تو زلیخا بیگم مہاتما گاندھی کو خط لکھتی ہیں، جس میں مولانا آزادؒ کو ملنے والی سزا پر تبصرہ ہے، لکھتی ہیں:

''میرے شوہر مولانا ابو الکلام آزادؒ کے مقدمہ کا فیصلہ آج سنوایا گیا، انہیں صرف ایک سال کی قید بامشقت کی سزا دی گئی۔ یہ نہایت تعجب انگیز طور پر اس سے بدرجہا کم ہے، جس کے سننے کے لئے ہم تیار تھے، اگر سزا و قید قومی خدمات کا معاوضہ ہے تو آپ تسلیم کریں گے کہ اس معاملہ میں بھی ان کے ساتھ سخت ناانصافی برتی گئی، یہ تو کم سے کم بھی نہیں ہے، جس کے وہ مستحق تھے''۔ (108)

ان پاک باز اور قابل احترام خواتین کا سیرت و کردار مسلمان عورتوں کے لئے تا ابد روشنی کا مینارہ رہے گا، وہ ان پاک طینت اور بہادر خواتین کی اتباع میں اپنی زندگیاں سنوار سکتی ہیں۔ ان نیک اطوار خواتین نے کردار کی

عظمت کا بیش بہا سرمایہ چھوڑا ہے، ان خواتین کی قربانیاں تاریخ اسلام کا وقیع سرمایہ ہیں۔ ان کی زندگیاں سراپا نور تھیں، جن کی بے داغ سیرت اپنی صنف کے لئے اس دور میں بھی شمع راہ ہیں۔ اور آج کے بے راہ رو اور اخلاق سے مبرا زمانہ میں بھی سرچشمہ حیات ہیں۔ ہماری قومی غفلت، بے حسی اور سیاسی پژمردگی کی حالت میں تاریخ اسلام میں خواتین اسلام کا یہ کردار احساسِ زیاں پیدا کرتا ہے۔

حقوقِ نسواں کا مغربی پروپیگنڈہ اور اس کا جائزہ:

یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ قبل از اسلام عورت کو معاشرہ میں اس کے جائز مقام سے محروم رکھا گیا تھا، مؤرخین جس مادرسری اور پدرانہ نظام کا تذکرہ کرتے ہیں، اس کو اگر کسی درجہ میں درست بھی تسلیم کرلیا جائے تو اسلام نے آکر ان دو انتہا پسندیوں میں درمیان کی راہ اپنائی۔ عورت کے گھریلو کردار کی ضرورت و اہمیت، اس کے حقوق و فرائض، اس کے دائرۂ عمل اور اس کے عز و شرف کو نمایاں طور پر اُجاگر کیا کہ حقیقت بین نگاہ کے لئے اب کوئی امر مبہم نہیں رہا۔

دیگر امور کی طرح اس امر میں بھی اسلام کی جامعیت کو انصاف پسند لوگوں نے تحسین کی نگاہ سے دیکھا۔ عورت کے ان فطری اور ذاتی حقوق کی فراہمی کے ساتھ اسلام نے عورت کو اجتماعی زندگی میں بھی مفید اور مؤثر کردار دیا۔ اس طور پر کہ اس کی عفت و عصمت کے مکمل تحفظ کے ساتھ اسے اجتماعی سرگرمیوں کا ایک قابل قدر حصہ بنا دیا۔ اس بابت نبی اکرمؐ کے ارشادات، اشاعتِ اسلام، سیاسی، معاشی سرگرمیوں حتیٰ کہ میدانِ جنگ میں ان کو اپنے ضمیر کی پکار پر عمل کرنے کا پورا موقع ملنا بطورِ دلیل کے پیش کیا جاسکتا ہے، سچ تو یہ ہے کہ اسلام کی جامع، ہمہ گیر اور انسانیت نواز ہدایت کے حوالہ سے تاریخ اسلام کا یہ زریں باب ہے، اس پر تمام مسلمان بالخصوص خواتین جس قدر اطمینان اور فخر کا اظہار کریں حق بجانب ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے عورت کو گمنامی، ذلت اور بے کاری کی دلدل سے نکالا اور صدیوں تک عورت معاشرتی ترقی کے میدان میں اپنا مفید کردار ادا کرتی رہی، مگر مسلمانوں کے اجتماعی زوال نے معاشرہ پر جو برے اثرات مرتب کئے، ان میں سے ایک مسئلہ عورت کی حیثیت کا بھی ہے۔ آزادی اور حقوقِ نسواں کے خوبصورت نعروں کے ساتھ عورت کو کم و بیش وہی حیثیت دے دی گئی ہے، جو قبل از اسلام تھی۔ آج عورت مرد کے ہاتھ میں ایک کھلونا ہے۔ اس کی حیثیت مختلف کمرشلز کی زینت بننے اور کمینہ صفت لوگوں کے عشرت کدوں کا سامان فراہم کرنے سے زیادہ نہیں۔ اس کے برعکس مغرب بہت زور و شور سے یہ پروپیگنڈہ کرتا ہے کہ اس نے عورت کو سماجی، سیاسی آزادی اور حقوق دیئے ہیں، اگر اس دعوے کا جائزہ خود یورپین مفکرین کے خیالات کی روشنی میں لیا جائے تو حقیقی صورتحال مختلف نظر آتی ہے۔ چنانچہ ماڈل آف ڈیموکریسی کے مصنف ڈیوڈ میلڈ نے عورت کی حیثیت اور

آزادی کے مختلف نظریات کا تذکرہ کر کے تجزیہ کر کے لکھا ہے:

Along with Wallstonecraft's reflection are vital questions about the conditions for the participation of women and men in a democracy. The liberal tradition has generally taken for granted that the private world free of state interference is a non-political world and that women naturally find their place in this domain. Accordingly, women are located in a wholly marginal position in relation to the political and the public affairs While maintaining a strict conseption of what should be and what should not be a public matter. (109)

Wallstonecraft کی رائے کا تاثر یہ ہے کہ وہ (عورت) اپنی موجودہ حالت پر قائم رہے، جس میں مرد اور عورت کے جمہوریت میں حصہ لینے پر اہم سوالات ہیں، (اس) آزادانہ روایت کو ہمیشہ کے لئے تسلیم کر لیا گیا ہے کہ غیر سیاسی سرگرمیوں کی دنیا ریاستی معاملات سے آزاد ہے اور فطرتاً اس (عورت) کی جگہ اس ریاست (غیر سیاسی) میں بنتی ہے، اس کے مطابق عورت کی حیثیت سیاسی اور عوامی معاملات میں نام کی ہے۔ اس میں یہ پختہ نظریہ برقرار رکھا جاتا ہے کہ کونسی چیز عوامی معاملات میں شامل ہونی چاہئے اور کونسی نہیں۔

اس کے بعد ڈیوڈ نے مزید لکھا:

Despite the declaration by many that equality of rights has been achieved, there lingers, Mill affirmed, a primitive state of salvery, which has not lost the stain of its brurtal origin.

The relation between men and women was 'grounded on force' and, although some of its most 'atrocius features' have softened with time, 'the law of the stongest' has been enshrined in the law of the land. (110)

باوجود بہت سے لوگوں کے اس اعلان سے کہ مساوات (مرد و عورت) حاصل ہو چکی ہے Mill زور دے کر کہتا ہے کہ غلامی کی بنیادی یا پہلے والی حالت جاری ہے، جس نے ظالمانہ اور نقصان دہ تاثر نہیں چھوڑا۔

مرد اور عورت کے درمیان تعلق طاقت کی بنیاد پر قائم تھا، اگرچہ اس کا نقصان دہ پہلو وقت کے ساتھ کچھ کم ہوا

ہے، لیکن طاقتور کا قانون اب زمینی قانون میں بدل چکا ہے۔

سیاسی امور میں امریکہ کے اندر خواتین کو جو حقوق حاصل ہیں، ان کے بارہ میں سنٹر فار امریکن ویمن ان پالیٹکس (Centre for American Women in Politicis) کے 2003ء کے اعداد و شمار کے مطابق مقننہ میں ان کو برابری کے حقوق حاصل نہیں ہیں۔

Women in Elected Office 2003 fact sheet summeries W.W.W cawp-rutgers.eou /facts/office holds/cawpfs. htmle.

عورتوں کے ساتھ روزگار میں تفریق برتی جاتی ہے اور کم تر درجہ کے کاموں کے مواقع فراہم کئے جاتے ہیں، امریکن ایسوسی ایشن آف یونیورسٹی آف ویمن نے مئی 2003ء میں رپورٹ جاری کی، جس کے مطابق:

American women are still largely pigeonholed in "pink collar jobs", such as secretaries, sales women and resrurant attendants. (111)

یورپ میں حقوقِ نسواں کی حالت کیا ہے؟ آپ نے ملاحظہ فرمایا، گویا مغرب سوسائٹی میں عورت اور مرد کا صحیح مقام متعین کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ غور کیجئے یہ خیالات اور تاثرات اس وقت پیش کئے جا رہے ہیں، جب یورپ خود کو حقوقِ نسواں کا سب سے بڑا چمپین قرار دیتا ہے۔ اگر یورپین مفکرین غیر جانب دارانہ طریقہ سے تعلیماتِ اسلام کا عمیق مطالعہ کر لیتے تو انہیں اس مسئلہ کا حل بھی مل جانا تھا اور مستشرقین کو اسلام پر بہتان طرازی کی ضرورت بھی پیش نہ آنی تھی۔ جیسے کہ آپ نے ایڈورڈ ولیم کی رائے پہلے صفحات میں ملاحظہ فرمائی۔ (112)

مزید وضاحت کے لئے ایک اور حوالہ ملاحظہ فرمائیں تا کہ (بعض یورپ زدہ لوگوں کے) اس پروپیگنڈہ کا جائزہ لینے کا ہمیں موقع ملے کہ ''ہم اپنی ناکامیوں کو چھپانے کے لئے یورپ پر تنقید کرتے ہیں''۔ جو لوگ ایسی (تنقید کی) روش اپنائے ہوئے ہیں، ہمیں ان سے تو کوئی سروکار نہیں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ ادھورا سچ ہے۔ یورپین فکر اور کلچر سے متاثر لوگ تصویر کا مکمل رُخ پیش نہیں کرتے۔

امریکہ کے ایک پروفیسر اسٹیون گولڈ برگ اپنی کتاب The Invitability of Patriarchy. (نظامِ سرداری کی ناگزیریت) میں لکھتے ہیں کہ:

A much simpler, and more probable explanation is that universal male dominace stems not from social oppression but fundamental differences between the sexes. (113)

''معاشرہ میں عورت مرد کے فرق کی وجہ سے حقیقتاً کوئی سماجی دباؤ نہیں ہے، بلکہ دونوں جنسوں میں

بنیادی فرق اس کا سبب ہے''۔

اس کتاب کی اشاعت کے بعد پروفیسر موصوف کو امریکہ کی خواتین کی طرف سے نہایت سخت خطابات ملے مثلاً (Pig) ''ظالم خنزیر'' اور (Male Sadist) مرد سادی وغیرہ۔''مرد سادی'' کا مطلب یہ ہے کہ ایسا مرد جو عورت کے حق میں ظالم ہو۔ اس بارہ میں امریکہ کے اندر خاصہ ہنگامہ کھڑا ہوگیا بات اخبارات تک پہنچی۔ چنانچہ پروفیسر گولڈ برگ سے جب ''ڈیلی ایکسپریس'' کا نمائندہ ملا تو اس نے مسکراتے ہوئے کہا:

The feminisists hate me, but I believe that the universality in all societies cannot be explained by social conditioning. (114)

''مساوات نسواں کی علمبردار خواتین مجھ سے نفرت کرتی ہیں، مگر مجھے یقین ہے کہ تمام انسانی معاشروں میں مرد کا عمومی غلبہ صرف سماجی حالات کی وجہ سے نہیں ہوتا''۔

پروفیسر گولڈ برگ اس پر خاصی تفصیلی اور طویل گفتگو کرتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ سیاسی، سماجی معاملات میں مرد کے مقابلہ پر عورت کردار ادا کرنے کی اہل نہیں ہے اور یہ سماجی اقدار کی وجہ سے نہیں بلکہ عورت اپنی پیدائشی جبلت کے ہاتھوں مجبور ہے۔

غور فرمایئے کہاں عورت کو تمام حقوق کی فراہمی کے دعوے اور کہاں اس کو اس کا اہل ہی نہ ماننا جب کہ قرآن دونوں کو برابری کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے کہتا ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ **(115)**

''اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کی مددگار ہیں۔ حکم کرتے ہیں بھلائی کا اور منع کرتے ہیں برائی سے''۔

یہاں قرآن نے اجتماعی اور سماجی ذمہ داریوں کو نبھانے کے حوالہ سے دونوں کو برابر کا ذمہ دار بنایا ہے۔ یہی اصول دیگر احکامات میں بھی رہا۔ سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۳۴ میں عورت پر وہی ذمہ داری ڈالی گئی ہے، جو الگ سے مردوں پر ڈالی گئی۔ سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۳۵ میں عمل اور کردار کے حوالہ سے مرد وعورت کے عمل اور نتائج کو یکجا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی طرح اس ضمن میں قرآن کی متعدد آیات کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ انصاف کیجئے جدید یورپ نے عورت کے ساتھ انصاف کیا ہے یا اسلام نے۔ اس تجزیہ کے لئے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (1984ئ) کی ایک عبارت مغربی یورپ کی حقیقی صورتحال کے حوالہ سے ملاحظہ فرمائیں:

In the economic sphere women who work outside the home

are haevily concentrated in the lowest paying work and having the lowest status. Women also earn less than men in the same kinds of jobs. The median pay of women workers in the U.S was 60 percent that of men in 1982. In Japan the percentage of average pay was 55. Politically, women are greatly underrepresented in national and local government and in political parties. (116)

''اقتصادی میدان میں گھر سے باہر کام کرنے والی عورتیں بہت زیادہ تعداد میں کم تنخواہ والے کاموں میں ہیں اور ان کا درجہ سب سے نیچا ہے۔حتی کہ عورتیں ایک ہی کام میں مرد سے کم تنخواہ پاتی ہیں۔امریکہ میں خاتون کارکنوں کی اوسط تنخواہ مردوں کے مقابلہ میں 60 فیصد ہے، جاپان میں یہ اوسط 55 فیصد ہے، سیاسی طور پر عورتیں بہت بڑے پیمانے پر نمائندگی سے محروم ہیں۔قومی اور مقامی حکومتوں میں نیز سیاسی پارٹیوں میں''۔

عصر حاضر میں خواتین کے استحصال کی نوعیت اور اس کے انسداد کا طریقہ

اسلام عورت کی حیثیت معاشرہ میں کیا متعین کرتا ہے، قرآن و حدیث، آثارِ صحابہؓ اور تاریخ کی چند مثالوں سے اسلام کا نقطہ نظر آپ کے سامنے آ گیا ہے، بحث کو سمیٹتے ہوئے مساوات کا صحیح مفہوم پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ مساوات (مرد و عورت) کا ایک تصور تو جدید یورپ کا ہے، اس کے مقابلہ پر ایک تصور شدت پسند مذہبی اور خود یورپین طبقات کا ہے، جب کہ ایک متوازن رائے وہ ہے جو تمام نصوص، عہد نبویؐ اور خلفائے راشدینؓ کو سامنے رکھ کر بنتی ہے، یہاں یہ خیال رکھنا بہت ضروری ہے کہ عورت اور مرد کی مساوات کا یہ مفہوم نہیں کہ ہر معاملہ میں مرد و عورت کو برابر کر دیا جائے۔ یہ غیر فطری بات ہے۔مغربی یورپ نے عورت کے حقوق کے تعین میں یہ غلطی کی ہے کہ اس نے دونوں کے فطری رجحانات کے فرق کو ملحوظ نہیں رکھا۔ دوسری طرف بین مذہبی شدت پسندوں نے معاملہ کو گہرائی سے نہیں دیکھا بلکہ دباؤ اور ردِ عمل میں قرآنی آیات کو سطحی انداز سے دیکھا، جس سے معاملہ مزید اُلجھ گیا۔ اس ضمن میں الرجال قوامون کی آیت کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ گھر کے نظام میں رہ کر تمام کام جن کے لئے فعال صلاحیت درکار تر ہے، وہ سب مرد کے ذمہ ہیں، مثلاً کمانا، دفاع کرنا، بیرونی معاملات کا انتظام کرنا۔مرد ان کاموں کے لئے فطری طور پر زیادہ موزوں ہے، گویا خاندان کی تعمیر میں دونوں کے بھرپور کردار کو اسلام نے متعین کیا ہے، البتہ انتظامی امور کو بہتر طور پر چلانے کے لئے کسی ایک فریق کو اختیار دینا ضروری تھا

تا کہ اس اختیار کے ذریعہ تعاونِ باہمی کا کام لیا جاسکے اور یہ ذمہ داری مرد کو دی گئی، لیکن اس سے نہ عورت کے حقوق میں کوئی فرق پڑتا ہے اور نہ اعمال و کردار کے ثمرات میں مرد کو عورت پر فوقیت حاصل ہوتی ہے اس بنا پر مساوات کا صحیح مفہوم ''حیثیت میں مساوات'' ہے، یعنی یہ کہ ہر انسان (مرد و عورت) کو یکساں انسانی حقوق ملیں، یکساں عزت ملے، ہر ایک کو یکساں احترام کی نظر سے دیکھا جائے اور ہر ایک کے ساتھ یکساں اخلاقی سلوک کیا جائے۔

یورپ نے مرد و عورت کے حقیقی تصور انسان اور ان دونوں کے دائرہ کار لحاظ رکھنے میں شدید غلطیاں کی ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ: ''روایتی معاشرے جب اپنی بنیادی میں کسی بگاڑ کا شکار ہونے لگتے ہیں، تو اس کے آثار سب سے پہلے ان کے تصور انسان میں نمودار ہوتے ہیں اور یہاں سے رفتہ رفتہ عقائد و اعمال کو بھی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔ اسلام جس اسلوبِ معاشرت کو ضروری قرار دیتا ہے، وہ انسان اور انسانیت کے اسی ماڈل کے حصول، حفاظت اور پرداخت کے لئے ہے، جس کے مستقل پرداخت/ استحضار کے بغیر دین کے انسانی حوالہ سے کوئی معنی باقی نہیں رہتے، یہی وجہ ہے کہ جب ہم نے مغرب کے تصورِ انسان پر صاد کر کے اس سے ہم آہنگ ہونے کی کوشش کا آغاز کیا تو پہلے قدم پر زندگی کے ان اقدار سے روگردانی کی ضرورت پیش آئی، جن کے ذریعہ سے دین کا مطلوبہ انسانی ماحول، جس کے اصولی حدود کسی تغیر یا بالفاظِ دیگر تاریخی دباؤ کو قبول نہیں کرتے، تشکیل پاتا ہے۔ اس ماحول میں عورت اور مرد قطبین کی حیثیت رکھتے ہیں، انہی سے زندگی میں وہ توازن پیدا ہوتا ہے، جس کے بغیر انسان کی حقیقی معنویت اور کارگاہِ ہستی میں اس کا مجموعی کردار سامنے نہیں آسکتا۔ عورت و مرد محض دو حیاتیاتی اصناف نہیں بلکہ حقیقتِ انسانی کے دو مظاہر ہیں۔ عورت میں اس حقیقت کا ارتکاز، سکون اور اندرونی پن کارفرما ہے اور مرد میں پھیلاؤ، حرکیت اور آفاقیت۔ مغربی تہذیب اس اصول کے انکار پر کھڑی ہے او اس کے زیر اثر عالمِ اسلام میں بھی فکر و احساس کی جو تبدیلیاں برپا ہوئیں، ان کا بڑا اظہار آزادئ نسواں کے مطالبہ میں ہوا۔ یہ مطلوبہ آزادی فقط چادر اور چار دیواری سے نہیں بلکہ پورے دین سے نکلنے کی آزادی تھی''۔ (117)

ایسے فکر و عمل کے حاملین اسلام کو دقیانوسی مذہب کے طور پر پیش کرتے ہیں اور اپنے تئیں یورپ خود کو آزادی اور حقوقِ نسواں کا امام سمجھتا ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ آج عورت کے ساتھ جاہلیت کے دور کا سا سلوک کیا جارہا ہے۔ جہالت محض رسمی علم سے ناواقفیت کا نام نہیں ہے، بلکہ جہالت ایک رویہ کا نام ہے جو رسمی علم کے حامل لوگوں میں بھی ہوسکتی ہے۔ مغربی یورپ میں عورت کو آزادی کے نام پر انسانیت کے مقام سے بھی گرادیا گیا ہے۔ آزادئ نسواں کے نام پر اس کی عزت و ناموس کو پامال کردیا گیا ہے۔ آج اچھی یا کسی بری سے بری چیز کی تشہیر عورت کی جسمانی نمائش کے بغیر مکمل نہیں ہوتی، یوں عورت کو کاروباری مقاصد میں ایک بہت گھٹیا اور ذلت آمیز حیثیت دی گئی ہے۔ مرد کی انتظامی ذمہ داری کو مغربی تہذیب میں ظلم قرار دے کر عورت کو گمراہ کیا گیا ہے اور باہمی اعتماد کے اس رشتہ کے حوض کو گدلا کردیا گیا ہے، نتیجتاً خاندان کی تربیتی وحدت باقی نہ رہی اور عورت ہر قسم کی ذمہ داریوں سے

آزاد ہوگئی، دراصل یہ ایک انتہا سے دوسری انتہا کا سفر ہے، ظاہر ہے کسی بھی نوعیت کی انتہا پسندی مرض ہی کہلاتی ہے۔ اس آزادی کے نام پر عورت کی ترقی کی بجائے اس کے استحصال کا جذبہ کارفرما ہے۔ حتیٰ کہ بداخلاقی (جنسی بے راہ روی) کو بھی اس کا حق قرار دے دیا گیا ہے، نوبت یہاں تک پہنچی کہ شادی بھی ایک بوجھ قرار دی گئی، جس سے فراہمیٔ حقوق اور حقیقی آزادی میں خلل اور مسرتوں کا خون ہوتا ہے۔ مغربی یورپ کی موجودہ تہذیب نے عورت کو مرد کے مقابل کھڑا کر کے اس کو اپنی حیثیت سے گرا دیا ہے، جس سے سوسائٹی میں ایک زبردست خلا پیدا ہوگیا ہے، جو دن بدن وسیع ہوتا جارہا ہے اور بے شمار خرابیوں کا باعث بن رہا ہے۔ یہ درست ہے کہ مذہب و اخلاق کے غلط تصور نے ایک عرصہ تک عورت کو اس کے فطری حقوق سے محروم کئے رکھا، جس کا ردِعمل مکمل بغاوت اور انارکی میں ظاہر ہوا، جس سے اب مرد اور عورت دونوں پریشان ہیں اور بات اتنی آگے بڑھ چکی ہے کہ اس کو ''روک'' لگانے میں سب بے بس ہیں۔ اگر کوئی ذرا ہمت کرتا بھی ہے تو اس پر رجعت پسندی کا الزام لگتا ہے، جو اس دور کا سب سے بڑا جرم ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ آج ہم اپنے معاشرہ میں عورت کے صحیح مقام کا تعارف کروائیں، اس کے لئے ہمیں مغربی یورپ کے غلط تصورات سے بھی بچنا ہے اور اپنے تنگ نظر اور شدت پسند لوگوں کی سوچ کی کجی کا بھی مداوا کرنا ہے، اس بنا پر حکمت و دانائی کے ساتھ اس جبر کے ماحول کو ختم کرنا اصل کام ہے، ظاہر ہے اس مقصد کے حصول کا اولین ماخذ اور آئیڈیل دورِ اسلام کا اولین دور ہے، اس سلسلہ میں حضورؐ کی خانگی زندگی کا مطالعہ کرنا ہوگا تاکہ ایک توازن قائم رکھتے ہوئے ایک انتہا یعنی ''غلامی'' اور دوسری انتہا ''آوارگی'' سے بچا جاسکے اور عورتوں کے انسانی مقام و کردار کو تسلیم کر کے ان کو اجتماعی عمل کا ایک مفید حصہ بنایا جاسکے۔

www.rahnuma.org

حواشی و حوالہ جات

1۔ مبارک علی ڈاکٹر، تاریخ اور عورت، فکشن ہاؤس، مزنگ، لاہور، 1993، صفحات 24,23۔

2. P.Brown: The Body and Society. Columbia University Press 1988, p:14.40.

3۔ گنتی 1، کرنتھیوں، ص:23۔

4. Encycloedia Britannica, pp:19/909.

5. Encyclopedia Britannica, pp 19/909.

6. The Impact of Science on Society, 1976, p-17.

7. bid, p-19/909.

8. The Statesman, Delhi, April 26, 1986.

9۔ تحریک حقوقِ نسواں (چندر آب)، ص23۔

نوٹ: احادیث کے حوالہ جات میں ک سے مراد کتاب اور ب سے مراد باب ہے۔

10۔ مسلم، حدیث نمبر ۵۰۳۲، ک: صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار۔ ب: تحریش الشیطان و بعثہ سرایاہ لفتنۃ الناس۔

11۔ مسلم، حدیث نمبر ب۲۱۳۷، ک: الحج، ب: حجۃ النبی۔

12۔ نسائی، حدیث نمبر ۳۰۵۳، ک: الجہاد، ب: الرخصۃ فی التخلف لمن لہ والدۃ۔

13۔ النسائ: ۱۔

14۔ ترمذی، حدیث نمبر ۱۰۵، ک: الطہارہ عن رسول اللہ، ب: ماجاء فی من یستیقظ فیری بللا۔ (۳) مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں: بلاشبہ عورتیں ''حقوقِ انسانیت میں'' مردوں کے برابر ہیں۔

15۔ البقرۃ:۲۲۸۔

16۔ ترمذی، حدیث نمبر ۱۰۸۳، ک: الرضاع، ب: ماجاء فی حق المرأۃ علی زوجہا۔

17۔ بخاری، حدیث نمبر ۵۳۹۵، ک: اللباس، ب: ماکان النبیؐ یجوز من الباس۔

18۔ ترمذی، حدیث نمبر ۲۹۴۹، ک: تفسیر القرآن عن رسول اللہ، ب: من سورۃ النسائ۔

www.rahimia.org

19۔ آل عمران: ۱۹۵۔

20۔ النسائ: ۳۲۔

21۔ بھیقی، ابو بکر احمد بن حسن علی، السنن الکبری، نشر الفقہ، ملتان، ج ۸ ص ۲۸۔

22۔ جصاص، ابو بکر، احکام القرآن، دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان۔ ۱۷۱:۱۔

23۔ ترمذی، ک: تفسیر القرآن عن رسول اللہ، ب: من سورۃ النساء رقم: ۲۹۴۹۔

24۔ بخاری، حدیث نمبر ۳۴۸۴، ک: مناقب، ب: فضل عائشہ۔

25۔ مسند احمد، حدیث نمبر ۲۳۷۱۹، ک: باقی مسند الانصار، ب: حدیث السیدہ عائشہ۔

26۔ بخاری، حدیث نمبر ۳۵۳۶، ک: المناقب، ب: تزویج النبیؐ خدیجۃ و فضلھا۔

27۔ مسلم، حدیث نمبر ۴۴۲۳، ک: فضائل الٰھی بہ، ب: فضائل خدیجۃ۔

28۔ ابو داؤد، حدیث نمبر ۲۱۳۵، ک: الجھاد، ب: فی حرمۃ نساء المجاھدین علی القاعدین۔

29۔ ترمذی، حدیث نمبر ۱۵۰۴، ک: السیر عن رسول اللہ، ب: ماجاء فی امان العبد و المرأۃ۔

30۔ محمد سرور، پروفیسر، افادات و ملفوظات حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ، سندھ ساگر اکادمی، ۲۰/۱۰ ریٹی گن روڈ، لاہور 1987ء، ص: ۴۸۳۔

31۔ البقرۃ: ۱۸۷۔

32۔ مسلم، حدیث نمبر ۴۶۲۱، ک: البر و الصلۃ و الآداب، ب: بر الوالدین و انھا احق بہ۔

33۔ الاحقاف: ۱۵۔

34۔ ابن ماجہ، حدیث نمبر ۴۶۲۱، ک: النکاح، ب: حسن معاشرۃ النسائ۔

35۔ النسائی، حدیث نمبر ۳۴۲۸، ک: النکاح، ب: المرأۃ الصالحۃ۔

36۔ مسلم، حدیث نمبر ۱۸۲۵، ک: النکاح، ب: افضل النسائ۔

37۔ ترمذی، حدیث نمبر ۳۰۱۹، ک: تفسیر القرآن عن رسول اللہ، ب: من سورۃ التوبۃ۔

38۔ ایضاً۔

39۔ الاحزاب: ۳۴۔

40۔ بخاری، حدیث نمبر ۴۸۰۰، ک: النکاح، ب: ولزوجک علیک حق۔

41۔ ابن ماجہ، حدیث نمبر ۳۹۸۹، ک: الفتن، ب: فتنۃ النسائ۔

42. Edward William Lane, Selections from Quran London 1982, pxc (Introduction).

43. J.M.Roberts, THe Pelican History of the World, New York, 1984,

www.rahimia.org

p:334

44۔ دیکھئے! کحالہ، عمر رضا، اسلام النساء فی عالمی العرب والاسلام، مطبع بیروت (س۔ن) ۲:۳۰۰۔

45۔ مسند احمد، حدیث نمبر۔۔۔۔۔۔۔، ک: مسند الکوفین، ب: حدیث ابی موسیٰ اشعری، رقم۔

46۔ بخاری، حدیث نمبر ۹۹، ک: العلم، ب: ھل یجعل للنساء یوم علی حدۃ فی العلم۔

47۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت (س۔ن) ۸:۲۱۶۔

48۔ ابن حجر، العسقلانی، احمد بن علی، فتح الباری شرح صحیح بخاری، دار المعرفۃ۔ بیروت۔ (س۔ن) ۷:۱۰۷۔

49۔ ترمذی، حدیث نمبر ۳۸۱۸، ک: المناقب عن رسول اللہ، ب: من فضل عائشۃ۔

50۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ۔ ۲۷:۳۷۴

51۔ شذرات الذھب فی اخبار من ذھب: ۱:۶۳۔

52۔ ایضاً۔

53۔ ابن حجر العسقلانی، احمد بن علی، تھذیب التھذیب، دائرۃ المعارف النظامیۃ، حیدر آباد، ۱۲:۴۳۳، ۴۳۴۔

54۔ تھذیب التھذیب، ۱۲:۴۳۵۔

55۔ اعلام النسائ، ۱۰۶، ۱۰۵:۳۔

56۔ طبقات ابن سعد، محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت، (س ن) ۲:۳۷۵۔

57۔ ابن القیم، الجوزیہ، شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد، تجدید اسماء الصحابۃ، دار المعرفۃ الطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان، ۲:۲۴۴۔

58۔ اعلام النسائ، ۱:۴۸۔

59۔ الطبقات الکبریٰ، ۸:۴۸۰۔

60۔ الذھبی، شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد، تجدید اسماء الصحابۃ، دار احیاء التراث العربی، بیروت (س ن) ۱:۱:۱۱۷۔

61۔ ابن حجر العسقلانی، احمد بن علی، الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، دار احیاء التراث العربی، بیروت (س ن) ۱:۱:۱۱۷۔

62۔ ابن خلکان، شمس الدین ابو العباس، احمد بن محمد، وفیات الاعیان وانباء الزمان، ۵:۴۲۴۔

63۔ شبلی نعمانی، علامہ، الفاروق، اسلام بک ڈپو، میاں مارکیٹ، اردو بازار، لاہور، 1997ئ، ۱:۱۲۔

64۔ ایضاً: ۳۵۔

www.rahimia.org

65۔ الاصابۃ، ۱:۴۶۶۔

66۔ ابن قتیبہ، عبداللہ بن مسلم، ابو محمد، کتاب عیون الاخبار، ۴:۲۹۰۔

67۔ الاصابۃ، ۴:۲۹۰۔

68۔ ابن حجاج، ابو عبداللہ محمد بن محمد، المدخل، دار الحدیث، القاہرہ، 1981ء، ۱:۲۱۵۔

69۔ اعلام النساء، ۵:۲۰۵۔

70۔ اعلام النساء، ۳:۱۸۔

71۔ اعلام النساء، ۴:۳۱۔

72۔ منہاج: حیثیت نسواں نمبر ششماہی مجلہ، دیال سنگھ لائبریری، لاہور، ۹۶،۹۵:۲۔

73۔ بخاری، ک: مغازی، ب: اذہمت طائفتان، رقم: ۳۷۵۷۔

74۔ ابن ہشام، عبدالملک، السیرۃ النبویۃ، مطبع محمد علی مصری (س ن) ۸:۸۴۔

75۔ ابن اثیر، عز الدین، اسد الغابۃ، المکتبۃ الاسلامیۃ، ریاض (س ن) ۵:۵۹۰۔

76۔ شبلی، نعمانی علامہ، سیرۃ النبی، دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی، 1985ء، ۲۴۹:۱۔

77۔ مسلم، حدیث نمبر ۳۳۷۴، ک: الجہاد و السیر، ب: غزوۃ النساء مع الرجال۔

78۔ اسد الغابۃ، ۵:۵۷۷

79۔ اسد الغابۃ، ۵:۳۹۸۔

80۔ مسلم، حدیث نمبر ۳۳۷۵، ک: جہاد و السیر، ب: غزوۃ النساء مع الرجال۔

81۔ ابن ماجہ، حدیث نمبر ۲۸۴۷، ک: الجہاد، ب: العبید و النساء شہیدون مع المسلمین۔

82۔ بخاری، حدیث نمبر ۲۶۶۹، ک: جہاد و السیر، ب: مداواۃ النساء الجرحی فی الغزوہ۔

83۔ ابو داؤد، حدیث نمبر ۲۳۵۳، ک: الجہاد، ب: فی المرأۃ و العبد یحذیان من الغنیمۃ۔

84۔ بخاری، حدیث نمبر ۳۷۶۵، ک: مغازی، ب: اصاب النبی من الجراح یوم احد۔

85۔ اسد الغابۃ، ۵:۴۹۳

86۔ الاصابۃ، ۴:۴۳۳۔

87 سیرۃ النبی، ۱:۲۲۴۔

88۔ دیکھئے! اعلاء النساء، ۳۷۸: ۱تا ۳۸۰۔

89۔ اعلاء النساء، ۱:۲۸۱۔

90۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد، 1995ء، ص:۲۶۵۔

91۔ مسند احمد، حدیث نمبر ۱۹۵۲، ک: باقی مسند الانصار، ب: حدیث السیدۃ عائشۃ۔

www.rahimia.org

92۔ ابوداؤد، حدیث نمبر ۱۹۵۲، ک: الطلاق، ب: المبتوتۃ تخرج بالنہار۔

93۔ بخاری، حدیث نمبر ۱۹۵۲، ک: نکاح، ب: الغیرۃ۔

94۔ ابن اثیر، اسد الغابۃ، ۵:۵۴۸۔

95۔ ابن سعد، الطبقات، ۸:۳۷۰۔

96۔ ابن حجر، الاصابۃ، ۵:۵۱۹۔

97۔ الممتحنہ: ۱۲۔

98۔ الاحزاب: ۳۴۔

99۔ ابن اثیر، عزالدین، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ المکتبۃ السلامیۃ۔ ریاض (س ن) ۵:۵۸۷۔

100۔ بخاری، حدیث نمبر ۲۵۲۹، ک: الشروط، ب: الشروط فی الجہاد و المصالحۃ مع اھل الحرب و کتابۃ الشروط۔

101۔ تذکار صحابیات، ص: ۳۶۔

102۔ بخاری، حدیث نمبر ۰۳، ک: بدأ الوحی۔

103۔

104۔ بخاری، حدیث نمبر ۴۸۷۵، ک: الطلاق، ب: شفاعۃ النبی فی زوج بریرۃ۔

105۔ بخاری، حدیث نمبر ۳۴۴، ک: الصلوٰۃ، ب: الصلوٰۃ فی الثوب الواحد ملتحقابہ۔

106۔ ابن کثیر، عماد الدین، حافظ، البدایہ والنہایہ۔ مکتبۃ المعارف، بیروت، لبنان۔ ط: ثالثہ 1979ء ۷:۱۴۵

107۔ حمیدہ سلطان، رسالہ صبح، سہ ماہی، ابوالکلام آزاد نمبر 1970ء، پہلا شمارہ، ص: ۱۳۵۔

108۔ عابدہ، سمیع الدین، ڈاکٹر، ہندوستان کی جنگ آزادی میں مسلم خواتین کا حصہ، ادارہ تحقیقات اردو، پٹنہ، 1990ء، ص: ۱۱۸۔

109 .David Meld, Model of Democracy. iiird adition. Polity Press 65 Bridge Street Cambridge CB2. 1UR.UK.

110 .Abid; p:88,89.

111.W.W.W aaww-org/about/news/press-releaces/23.5.5 cfm

112۔ اسی مقالہ کا صفحہ نمبر پیرا گراف نمبر

113.Daily Express (London) July 4,1977.

114.Ibid.

115۔ التوبۃ: ۷۱۔

www.rahimia.org

116.Encyclopedia Britannica pp:c/732.

117۔آزاد، ابوالکلام، مولانا، مسلمان عورت، مکتبہ جمال، اردو بازار، لاہور، 2001ئ، ص:9۔

تعارف شخصیات

حضرت مولانا شیخ بشیر احمد لدھیانویؒ

حالاتِ زندگی

تحریر: مفتی عبدالخالق آزاد

برصغیر پاک و ہند میں امامِ انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ وہ اولوالعزم شخصیت ہیں، جنہوں نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کی زیر تربیت اور زیر نگرانی رہ کر ہندوستان کی آزادی کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا، اس حوالہ سے ملکی اور بین الاقوامی سیاست پر آپ کی گہری نظر تھی، اسی کے ساتھ قرآنی تعلیمات کے پھیلاؤ کے لئے بھی آپ نے شب و روز محنت کی ہے۔ اور تقریباً پچاس سال تک قرآن حکیم کے فکر و نظریہ کو حضرت الامام حجۃ الاسلام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے اسلوب اور فلسفہ کے مطابق پڑھاتے رہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی اہم کتابوں ''الفوز الکبیر'' اور ''حجۃ اللہ البالغہ'' کی بنیاد پر قرآن فہمی کے بنیادی اسلوب کو آپ نے اپنے پیش نظر رکھا۔ اس دوران آپ نے سینکڑوں ہزاروں شاگرد تیار کئے۔

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے ایک نہایت ہی نمایاں نام مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ کا ہے، مولانا سندھیؒ 1939ء میں 24 سالہ جلاوطنی کے بعد ہندوستان تشریف لائے تو اپنے علوم و افکار کے پھیلاؤ کے لئے انتہائی جدوجہد اور کوشش کی، اس کے لئے آپ نے اپنے علوم و افکار علماء و فضلا اور دانشورانِ قوم کے سامنے رکھے، گاہے آپ نے خود قلم اُٹھایا، اور اپنے افکار قلمبند کئے اور گاہے اپنے عزیز ترین شاگردوں کو املاء کرایا۔ اس کے لئے آپ نے حضرت لاہوریؒ سے دو ایسے علماء جو گریجویٹ بھی ہوں طلب کئے، چنانچہ انہوں نے مولانا بشیر احمد لدھیانوی اور مولانا غازی خدا بخش آپ کے سپرد کیے، ان میں سے بلا شبہ مولانا بشیر احمد لدھیانوی نے حضرت سندھی کے افکار کو بڑی ذمہ داری سے قلمبند کیا، اور بڑی وضاحت، عمدگی اور سلیقہ کے ساتھ انہیں ترتیب دیا، حتیٰ کہ حضرت سندھیؒ نے خود بھی اس کی شہادت دی، حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ اس حوالہ

www.rahimia.org

سے ممتاز ہیں کہ ان کے اسلوبِ تحریر سے حضرت سندھیؒ نے نہ صرف اتفاق کیا، بلکہ ان کی ترجمانی پر اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے اس کی ذمہ داری میں خود بھی شریک ہوئے۔ چنانچہ ''قرآنی دستورِ انقلاب'' کے شروع میں ابتدائی کلمات لکھتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''مولوی بشیر احمد اور مولوی خدا بخش کی محنتوں کا ہم پر خاص اثر ہے، وہ ہمارے طرزِ تفکر کا انقلابی نقطہ نظر سمجھنے کے قابل ہو گئے''۔(1)

بلکہ باقی شاگردوں سے یہ بھی فرمایا کہ وہ اپنی یاد داشتیں مولانا لدھیانویؒ کے اُسلوبِ تحریر اور ان کے طرزِ تفکر کے مطابق کر لیں۔ چنانچہ مولانا سندھیؒ لکھتے ہیں کہ:

''ہم اپنے دوستوں سے سفارش کرتے ہیں کہ وہ اپنی یاد داشتیں اس طرزِ تفکر کے مطابق بنالیں''۔(2)

حضرت مولانا بشیر احمد مرحوم نے حضرت سندھیؒ سے ان کے آخری دور میں تعلیم پائی، اس لئے انہوں نے حضرت سندھیؒ کی آخری عمر کے تمام افادات پوری ذمہ داری سے منتقل کئے ہیں۔ مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ نے یہ کام حضرت سندھیؒ کے انتقال کے بعد بھی جاری رکھا، اس سلسلہ میں اردو اور انگریزی میں مضامین لکھے، مقالہ جات تحریر کئے، اور ہر بات حوالہ کے ساتھ قلمبند کی۔ مولانا لدھیانویؒ کی تحریرات پڑھنے والے لوگوں کے دلوں میں ان کے حالاتِ زندگی جاننے کا اشتیاق ہوتا تھا، لیکن کہیں سے دستیاب نہ ہوتے تھے۔ اب کافی محنت کے بعد ان کے صاحبزادگان سے مولانا لدھیانویؒ کے کچھ کاغذات، ابتدائی طالب علمی کے دور کی ذاتی ڈائری اور قلمی مسودات دستیاب ہوئے ہیں، جن کی مدد سے مولانا لدھیانویؒ کے حالاتِ زندگی ترتیب دے کر آئندہ صفحات میں پیش کئے جا رہے ہیں۔

پیدائش

مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ شہر لدھیانہ کے محلہ اقبال گنج میں مؤرخہ: ۵ / رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ بمطابق 28 جنوری 1899ء بروز جمعرات، بوقت: ۱۲ بجے شب مطابق ۱۹۵۴ بکرمی کو پیدا ہوئے (3)۔ آپ کے والد گرامی کا نام مولانا اللہ دین تھا، جو انجمن حمایت اسلام، لاہور میں ''واعظ'' کے طور پر کام کرتے تھے۔

خاندان اور نسب

آپ نے اپنا نسب نامہ اپنی قلمی ڈائری میں کچھ یوں قلمبند کیا ہے:

''بشیر احمد بن مولانا اللہ دین بن کریم بخش بن محمد بخش بن راج دین بن تاج دین بن ابراہیم''۔(4)

مولانا کے صاحبزادگان کی روایت کے مطابق مولانا بشیر احمد کا خاندان راجپوتوں کی بدھن شاخ سے تعلق رکھتا ہے۔ لاہور میں مسلمان کاروباری لوگ شیخ لکھا کرتے تھے، اس لیے مولانا لدھیانویؒ ''شیخ'' مشہور ہوگئے۔(5)

مولانا بشیر احمد لدھیانوی کے والد گرامی مولانا اللہ دین، انجمن حمایت اسلام لاہور کی جانب سے واعظ رہے ہیں۔ انہوں نے عیسائی مشنری کے لیے کام کرنے والے پادریوں سے بہت سے مناظرے بھی کیے۔ اور عیسائیت پر ان کی خاصی نظر تھی۔ ''تحقیقات اصل انجیل'' کے نام سے ایک ضخیم کتاب بھی تصنیف فرمائی۔ جس میں انہوں نے اسلام پر پادریوں کے الزامات کے جوابات کے ساتھ اصل انجیل کی عبارات سے اسلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی حقانیت ثابت کی ہے۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ مولانا بشیر احمد لدھیانوی کی کتابوں میں موجود ہے۔ اس کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''خادم علماء دینِ متین مسکین اللہ دین بن کریم بخش مرحوم ومغفور لدھیانوی اربابِ دانش کی خدمت فیض درجت میں عرض پرداز ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔''(6)

ایسے ہی انہوں نے ایک خط دہلی کے ایک پادری جی۔ اے پاٹن کے نام، اسلام پر اعتراضات کے جواب کے طور پر لکھا ہے۔ اس کے آخر میں لکھتے ہیں:

''جواب کا منتظر کمترین اللہ دین واعظ انجمن حمایت اسلام لاہور، حال وارد دہلی، کھاری باؤلی، مطبع قاسمی مؤرخہ 24 مئی 1905''۔(7)

چنانچہ مولانا بشیر احمد کے والد گرامی مولانا اللہ دین انجمن حمایت اسلام لاہور کی جانب سے ملک بھر میں وعظ ونصیحت اور اسلام کے خلاف ہوانے والے پروپیگنڈہ کا جواب دیتے رہے ہیں۔ مولانا اللہ دین صاحب کو ''اناجیل'' پر بڑا عبور حاصل تھا، اس کی عبارتیں آپ کو زبانی یاد تھیں۔ چنانچہ مولانا بشیر احمد طالب علمی کے دور کی اپنی ڈائری میں اپنے والد گرامی کا ایک خط نقل کرتے ہیں:

''والد صاحب نے ایک خط بنام عالی جناب سید ابو المنصور صاحب، امام فن مناظرہ کو تحریر کیا، اور یہ خط کسی کتاب کو دیکھ کر نہیں لکھا گیا تھا، اس خط میں یہ خوبی ہے کہ اس کا ہر ایک فقرہ بائبل کے کسی نہ کسی مقام سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس خط کی عبارت جو مجھے نومبر 1914ء میں کتابوں میں سے دستیاب ہوئی، حسبِ ذیل ہے:

شریفوں کے شریف (اول تواریخ 7/10) قوم کے سردار (اعمال 4/8) سلامت رہ (ایوب 22/21) کمالِ خاکساری اور فروتنی کے ساتھ (اول افسیون 4/2) ایک عرض کرتا ہوں (اول سلاطین 2/16) کہ تو اپنے خادم پر مہربانی کر (اول سیموئیل 20/8) خط کا مضمون جو سر بمہر ہو (یسعیاہ 29/11) مجھے عنایت کیجیے (قضا 4/19 0) لوگوں کے درمیان تیری شکر گزاری کروں گا (زبور 108/3) ہمارے بزرگوں اور ہم وطنوں نے (یشوع 9/11) آپ کو

(متی 22/39) پیشوا ہونے کے لیے انتخاب کیا (اول تواریخ 28/4) اور آس پاس کے ملک میں اس کی شہرت ہوئی (لوقا 4/14) اور قوم کے بزرگوں نے اس پاس آکے کہا (متی 21/23) ایک سجیلا تاج تیرے سر پر رکھا (حزقیل 16/12) خداوند کے لیے ایک مستعد قوم تیار کر (لوقا 1/ 17) سلام تجھ پر اور سلام تیرے مددگاروں پر کیوں کہ خدا تیری مدد کرتا ہے (اول تواریخ 120/18) فضل تم سب پر ہو۔ آمین (عبرانیون 13/25) کمترین (متی 2/6) الہ (زبور 82/6) دین (لوقا 19/13) واعظ (واعظ 1/1)''۔ (8)

مولانا بشیر احمد لدھیانوی کے بڑے بھائی مولانا محمد قاسم لدھیانوی بہت اچھے کاتب تھے، اور ''سلطان القلم'' کے نام سے مشہور ہوئے۔ انہوں نے خط نسخ سید امیر الدین دہلویؒ اور مولوی محمد ممتاز علی ''نزہت رقم'' مہاجر مکی (مالک مطبع مجتبائی دہلی) سے حاصل کیا تھا، مولوی محمد قاسم لدھیانوی برصغیر ہندو پاک کے مسلم الثبوت خطاطِ قرآن تھے، 1907ء میں انہوں نے ایک ہفت رنگ قرآنِ پاک اپنے مطبع قاسمی سے طبع کیا، جس کا انتساب انہوں نے خان حبیب اللہ خاں والئ افغانستان کے نام سے کیا تھا، یہ نسخۂ قرآنِ پاک خطاطی کا عظیم الشان نمونہ ہے۔ اخیر زمانہ میں انجمن حمایت اسلام کی دعوت پر 1931ء میں لاہور آگئے تھے۔ اس سے قبل انہوں نے لدھیانہ اور دہلی کے علاقہ دریا گنج میں بھی ایک طویل عرصہ قیام کر کے خطاطی کی تھی۔

''سلطان القلم'' نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کا ترجمہ اور تفسیر کی بھی کتابت شروع کی تھی، ۲۵/ پاروں کی کتابت ہوئی تھی کہ ۱۳/محرم الحرام ۱۳۵۱ھ بمطابق 19 مئی 1932ء بروز جمعہ کو ستر برس کی عمر میں ان کا انتقال ہوگیا، قرآنِ پاک کے اس نسخہ کی تکمیل ان کے فرزند اکبر منشی محمد شفیع مرحوم نے کی۔ یہ قرآنِ پاک ''سلطان القلم'' کے اعجازِ قلم کا عظیم الشان نمونہ ہے۔(9)

تعلیم وتربیت

مولانا بشیر احمد صاحبؒ نے ایک علمی گھرانہ میں آنکھ کھولی۔ والد گرامی عالم دین تھے، بڑے بھائی بھی عالم دین تھے اور انہوں نے ساری عمر قرآن کی خطاطی کی خدمت کرتے ہوئے گذاری۔ ایسے دینی ماحول میں آپ نے اپنی تعلیم کا آغاز کیا، ابتدائی تعلیم لدھیانہ کے دینی مکتب سے حاصل کی۔ قرآنِ حکیم کی تعلیم کے بعد مدرسہ اسلامیہ میں داخل ہوئے، جہاں انہوں نے عربی، اردو اور انگریزی کی تعلیم حاصل کی۔ مولانا کے والد گرامی عیسائی مشنری اداروں کی چیرہ دستیوں کا مقابلہ کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے اپنے بیٹے کے لئے انگریزی اور عربی کی بیک وقت تعلیم کا بندوبست کیا۔ ایک طرف انہیں عالمِ دین بنایا گیا، اور ساتھ ہی انگریزی تعلیم بھی دلائی گئی۔ تا کہ انگریزی پر عبور حاصل کر کے اس میدان میں بھی خدمت دین کی جائے۔

چنانچہ آپ کو ابتدائی دینی تعلیم کے لئے شہر لدھیانہ کے ایک مدرسہ میں داخل کرادیا گیا۔ آپ نے قرآن حکیم

اور اردو، فارسی اور عربی کی تعلیم علمائے لدھیانہ سے حاصل کی۔ اس کے بعد آپ کو اسلامیہ ہائی سکول لدھیانہ میں داخل کرادیا گیا۔ جہاں انگریزی اور عربی دونوں کی تعلیم یکساں طور پر دی جاتی تھی۔ طالب علمی کے دور کی قلمی ڈائری کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ابتداء سے ہی انتہائی ذہین اور طبعی طور پر فہیم آدمی تھے۔ 16,15 سال کی عمر میں ہی عربی ادب اور انگریزی تحریر پر آپ نے پوری گرفت حاصل کرلی تھی۔ 1915ء میں آپ نے جماعت نہم میں داخلہ لیا، اور اس وقت آپ عربی نثر اور اردو، انگریزی تحریر لکھنے پر قدرت رکھتے تھے۔ اسی زمانۂ تعلیم میں مولانا لدھیانویؒ نے اپنی قلمی ڈائری میں ''دیوانِ متنبی'' کا یہ شعر نقل کر کے اس کی تشریح کی ہے:

''فذی الدار اخون من مومس واخدع من کفۃ الحابل

یہ دنیا زنِ قحبہ سے زیادہ بے وفا اور خائن ہے، اور ہر روز ایک نیا آشنا چاہتی ہے۔ فیوما عند عطار ویوما عند بیطار اور اس شکاری سے زیادہ دھوکہ دینے والی ہے، جو دانہ پھینک کر اپنا جال بچھاتا ہے اور شکار پھنساتا ہے''۔(10)

چنانچہ اسلامیہ ہائی سکول لدھیانہ سے مولانا بشیر احمد نے 1916ء میں جماعت نہم پاس کی اور 1917ء میں گورنمنٹ ہائی سکول لدھیانہ سے میٹرک کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔(11) پھر 1919ء میں اسلامیہ کالج لدھیانہ سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا۔(12) اس دوران مولانا نے عربی، فارسی اور انگریزی پر عبور حاصل کرلیا۔ ابتدائی دینی کتب لدھیانہ میں ہی مدارس دینیہ سے پڑھیں، پھر لاہور آکر حضرت لاہوریؒ سے باقی ماندہ کتابوں کی تعلیم مکمل کی۔ اور لاہور آکر اپنے زمانۂ تدریس میں 1928 میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے بی اے کی ڈگری بھی حاصل کرلی۔(13)

ذریعۂ معاش کے لیے ملازمت

1922ء میں مولانا بشیر احمد صاحبؒ لدھیانہ سے لاہور آگئے، اور یہاں آکر ایک اخبار روزنامہ ''کیسری'' میں ۲۵ / روپیہ مشاہرہ پر ملازمت اختیار کرلی۔ اس اخبار میں تقریباً ڈیڑھ سال کام کیا، پھر 21 جنوری 1924ء کو روزنامہ ''سیاست'' لاہور میں ۵۰ / روپے ماہوار پر کام شروع کر دیا۔ چنانچہ قلمی ڈائری میں لکھتے ہیں:

'' 20 جنوری 1924ء سے روزنامہ ''کیسری'' لاہور چھوڑ کر 21 جنوری کی صبح سے روزنامہ'' سیاست'' لاہور میں مشاہرہ ۵۰ / روپیہ ماہوار شروع کیا۔ ''کیسری'' میں ایک سال چند ماہ تک ۲۵ / روپیہ لیتا رہا''۔ تحریر مؤرخہ: 5/3/24 (14)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا بشیر احمد صاحب لاہور کے ابتدائی قیام میں ذریعہ معاش کے لیے اخبار میں ملازمت کرتے رہے۔ اس کے بعد 6 اکتوبر 1925ء کو ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ پنجاب سے آپ نے ''جونیئر اینگلو ور

نیکلر ٹیچر'' کا امتحان پاس کیا۔(15) اور تعلیم و تدریس کی ذمہ داریوں سے وابستہ ہو گئے۔

چونکہ انجمن حمایت اسلام لاہور سے آپ کے والد گرامی وابستہ رہے تھے اور اس کے واعظ کے طور پر خدمات سرانجام دیتے رہے، اس لیے اس تعلق کی بنا پر انجمن حمایت اسلام لاہور کے تعلیمی مدارس کے سلسلے سے تعلیم و تدریس کے لیے وابستہ ہو گئے۔ اور انجمن کے اندرون شیرانولہ گیٹ، لاہور میں قائم اسلامیہ ہائی سکول میں آپ نے خدمات سرانجام دینا شروع کر دیں۔

حضرت لاہوریؒ کی خدمت میں

انجمن حمایت اسلام اندرون شیرانوالہ گیٹ کے متصل ہی حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد تھی۔ اس میں حضرت لاہوریؒ درسِ قرآن دیا کرتے تھے۔ اس دوران آپ کا تعلق حضرت لاہوریؒ سے ہوا۔ حضرت لاہوریؒ حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے تربیت یافتہ اور ان کے ربیب تھے، آپ کی ساری تعلیم و تربیت حضرت سندھیؒ نے فرمائی تھی۔

حضرت لاہوریؒ سے تعلق کے دوران مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ نے باقاعدہ تفسیر، حدیث وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ ابتدائی عربی فارسی کی تعلیم تو لدھیانہ میں مختلف اساتذہ کرام سے حاصل کی تھی۔ لاہور آ کر انہوں نے باقاعدہ تعلیم حاصل کر کے دینی علوم کی تکمیل کی۔ پھر قرآنِ حکیم کی تفاسیر کے مطالعہ کی طرف متوجہ ہوئے، اس سلسلہ میں لاہور کے علماء کرام سے خاص استفادہ کیا۔ آپ کے استاذ معظم حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ لکھتے ہیں کہ:

''انہوں نے قرآنِ عظیم کا مطالعہ بہت عرصہ پہلے سے مختلف اساتذہ کی صحبت میں جاری رکھا تھا''۔(16)

البتہ ذریعہ معاش کے لیے انہوں نے انجمن حمایت اسلام کے مدارس میں تعلیم و تدریس کو ہی بنائے رکھا۔ اسی سلسلہ میں 2 دسمبر 1939ء کو انہوں نے سینیئر ٹیچر کا امتحان پاس کیا۔ اور ہائی سکول میں تعلیم و تدریس کی ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔ 1943ء میں آپ کا تبادلہ اسلامیہ ہائی سکول، گوجر خان میں بطور ہیڈ ماسٹر ہو گئے۔ اور کئی سال تک آپ نے وہاں خدمات سرانجام دیں۔

حضرت سندھیؒ سے ملاقات اور تعلیمی تعلق

7 مارچ 1939ء کو حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ 25 سالہ جلاوطنی کے بعد کراچی کے ساحل پر اترے۔ اور کراچی سے سفر کرتے ہوئے لاہور تشریف لائے اور حضرت لاہوریؒ کے پاس شیرانوالہ گیٹ کے قریب مسجد میں قیام فرمایا۔ اور ایک مدرسہ قاسم العلوم قائم فرمایا، جس میں وقتاً فوقتاً آپ قیام فرما ہوتے تھے، ہندوستان واپسی کے حوالے سے حضرت سندھیؒ ایک بلند مقصد رکھتے تھے۔ اور وہ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ کے علوم

ومعارف ان کے فلسفہ وحکمت کی اساس پر قرآنی تعلیمات کے فروغ کے لیے جد و جہد کرنا تھا۔

چنانچہ اس عظیم مقصد کے لیے انہوں نے حضرت لاہوری سے اپنے علوم و افکار کے پھیلاؤ کے لیے دو سمجھدار اور ذہین شاگرد مانگے۔ اس پر حضرت لاہوریؒ نے اپنے دو شاگرد ایک حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ اور دوسرے مولانا خدا بخش صاحب کو حضرت سندھیؒ کے سپرد کر دیا۔ چنانچہ مولانا غازی خدا بخشؒ لکھتے ہیں:

''شیخ التفسیر حضرت لاہوریؒ سے امام انقلاب مولانا سندھیؒ نے ان کے شاگردوں میں سے دو نوجوان طلب کیے۔ حضرت لاہوریؒ نے اپنے دو شاگرد اُن کے حوالے کیے۔ ایک تھے شیخ بشیر احمد بی۔ اے اور دوسرے راقم آثم خدا بخش عفی عنہٗ جو کچھ عرصے کے لیے کابل، مکہ معظمہ اور سندھ کے گوٹھ پیر جھنڈا میں حضرت سندھیؒ کی رفاقت میں رہا''۔(17)

حضرت سندھیؒ نے ان دونوں کو اپنے علوم و افکار کی تعلیم دینا شروع کی۔ چنانچہ 1940ء تا 1944ء تک مسلسل چار سال تک ان دونوں حضرات نے بڑی محنت، جانفشانی اور خلوص کے ساتھ حضرت سندھیؒ سے ولی اللہی علوم و افکار اور دینی تعلیمات کا جامع انداز و اسلوب سیکھا، خاص طور پر حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ نے حضرت سندھیؒ کی تقاریر قلمبند کیں، اور امالی کے عنوان سے فل سکیپ کاغذ کے تقریباً ساڑھے تین ہزار صفحات پر مشتمل حضرت سندھیؒ کے افکار قلمبند کیے۔ چنانچہ حضرت سندھیؒ لکھتے ہیں:

''ہم 939 ہندی (1939ئ) میں واپس وطن پہنچے، اس کے بعد جب کبھی لاہور آئے اور اپنے عزیزوں کی خاطر وہاں رہے، مولوی بشیر احمد بی۔ اے لدھیانویؒ ہم سے قرآن شریف سمجھنے کے لیے ملتے رہتے تھے، اس طرح انہوں نے کئی سو (تقریباً ساڑھے تین ہزار) صفحے تیار کر لیے''۔(18)

حضرت سندھیؒ سے تعلق کا ایک واقعہ

مولانا بشیر احمد صاحب کو حضرت سندھیؒ سے بڑا تعلق خاطر تھا، آپ کے ارشاد پر ہمہ وقت عمل کرنے کے لیے تیار رہتے تھے، 1939ء کا ایک واقعہ ہے کہ مولانا بشیر احمد صاحبؒ اپنے چند دوستوں کے ہمراہ شملہ سیر کے لیے گئے۔ وہاں حکومت کا ایک بنک تھا، اس کے مینجر سے دوستوں کی وساطت سے ملاقات ہوئی۔ مولانا کو انگریزی پر بڑا عبور تھا، دورانِ گفتگو مینجر صاحب بڑے متاثر ہوئے، اور انہوں نے اپنے ہاں ملازمت کی پیش کش کی۔ اور خاصی بڑی تنخواہ مقرر کرنے کا کہا۔ مولانا نے کافی تذبذب کے بعد معاشی حالات کی وجہ سے اس پیش کش کو قبول کر لیا۔ لیکن دل مطمئن نہیں تھا، اس لیے حضرت سندھیؒ کو خط لکھ کر اس کی اطلاع دی۔ حضرت سندھیؒ نے جواب میں ایک سطر تحریر فرمائی:

''آپ نے اس حکومت کی ملازمت اختیار کر لی، جس سے ہم آزادی کی جنگ لڑتے رہے، اس

کے بعد ہمارا آپ سے کوئی تعلق نہیں رہا ہے۔''

مولانا لدھیانویؒ نے حضرت سندھیؒ کا خط ملتے ہی فوراً اس ملازمت سے علیحدگی اختیار کر لی ۔ اور شملہ سے سیدھے لاہور آ کر حضرت سندھیؒ سے معذرت کی ۔(19)

حضرت سندھیؒ سے استفادہ

مولانا بشیر احمد لدھیانوی نے قرآنِ حکیم کے فہم کے لیے حضرت سندھیؒ سے امام شاہ ولی اللہ دہلوی کی کتب براہِ راست پڑھیں ، ان کتابوں میں امام دہلوی کی شاہکار تصنیف ''حجۃ اللہ البالغہ'' پڑھی اور اس کے تفصیلی نوٹ امالی کی صورت میں قلمبند کیے ۔ امالی کے ساڑھے تین ہزار صفحات میں شاہ ولی اللہ کی کتابوں ''سطعات''، لمحات اور فیوض الحرمین وغیرہ کی تشریحات شامل ہیں، نیز مولانا اسماعیل شہید کی ''عبقات'' کا ترجمہ اور شرح بھی تحریر فرمائی، اسی کے ساتھ حضرت سندھیؒ سے قرآنِ حکیم کی سورتوں کی حکیمانہ انقلابی تفسیر پڑھی۔ اور سمجھی اور حضرت سندھیؒ کے مکمل فکر و فلسفہ کا فہم حاصل کیا، چنانچہ حضرت سندھیؒ خود لکھتے ہیں:

''انہوں نے قرآن عظیم کا مطالعہ بہت عرصہ پہلے سے مختلف اساتذہ کی صحبت میں جاری رکھا تھا، اس لئے وہ ہمارے طرزِ تفکر کا انقلابی نقطہ تدریجاً سمجھنے کے قابل ہو گئے''۔(20)

مولانا لدھیانویؒ نے مولانا سندھیؒ کے املاء کردہ افادات کو بڑی ذمہ داری کے ساتھ قلمبند کیا۔اور پھر انہیں بڑے سلیقہ کے ساتھ حضرت سندھیؒ کی زندگی میں ہی ترتیب دیا۔ اور حضرت سندھیؒ نے آپ کے مرتب کردہ تحریری مواد پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا، چنانچہ حضرت سندھیؒ لکھتے ہیں:

''ہماری تقریریں بہت سے دوستوں نے ضبط کر لی ہیں۔مگر آج تک ہم نے کسی کی تصحیح اپنے ذمہ نہیں لی۔مولوی بشیر احمد اور مولوی خدا بخش کی محنتوں کا ہم پر خاص اثر ہے۔اس لئے ہم نے اس رسالہ پر نظر ثانی منظور کی۔ ہم شہادت دیتے ہیں کہ ان افکار کی ذمہ داری میں ہم بھی ان کے ساتھ شریک ہیں''۔(21)

نہ صرف یہ کہ مولانا سندھیؒ نے آپ پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا بلکہ اپنے دیگر شاگردوں اور دوستوں کو اس بات کی سفارش کی کہ وہ اپنی یادداشتیں اس ترتیب کے مطابق مرتب کر لیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''ہم اپنے دوستوں سے سفارش کرتے ہیں کہ وہ اپنی یادداشتیں اس طرزِ تفکر کے مطابق بنا لیں''۔(22)

چنانچہ امالی کا ایک قلمی نسخہ (جس میں سورۃ المجادلہ سے سورۃ التغابن تک تفسیر لکھی ہوئی ہے) ہمیں دستیاب ہوا ہے جسے مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ نے 1943ء میں قلمبند کیا ہے ۔ جب کہ وہ گوجر خاں کے اسلامیہ ہائی سکول میں پڑھاتے تھے ۔اس کے آخر میں لکھا ہے:

''آج مؤرخہ 14 نومبر 943 ہندی (1943) کو مدرسہ قاسم العلوم لاہور میں مولانا (سندھیؒ) سے ملاقات کے لیے گوجر خاں سے حاضر ہوا اور عرض کیا کہ (سورۃ المجادلہ سے) سورۃ المنافقون تک مرتب کرلیا ہے۔ آگے سورۃ التغابن کا ربط اس سورۃ سے ارشاد فرمادیجیے۔ اس پر آپ نے حسب ذیل تقریر فرمائی''۔(23)

مولانا سندھیؒ کے پرائیویٹ سیکرٹری

مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ کو حضرت مولانا سندھیؒ آخری دم تک قرآنی تفسیر قلمبند کراتے رہے، آپ حضرت سندھیؒ کے پرائیویٹ سیکرٹری کے طور پر بڑی ذمہ داری سے کام کرتے رہے، چنانچہ مولانا ظہیر الحق دین پوریؒ نواسہ حضرت سندھیؒ کا بیان ہے کہ:

''(۲۸/شعبان ۱۳۶۳ھ (18 اگست 1944ئ) کو دین پور شریف سے چند عزیزوں کے ساتھ ہم وہاں (دار الرشاد پیر جھنڈا) پہنچے، ہم نے دیکھا کہ آپ تکیوں کے درمیان (کمزوری کی وجہ سے) ایک گڑیا کی طرح دھنسے ہوئے تھے، حضرت بولے جارہے تھے، اور ان کے سامنے جناب مولانا بشیر احمد بی۔اے لدھیانویؒ جو کہ آپ کے پرائیویٹ سیکرٹری تھے، قلم برداشتہ لکھتے جارہے تھے۔(24)

اسی طرح اپنے انتقال سے ایک ماہ قبل حضرت سندھی رجب ۱۳۵۳ھ (جولائی 1944ئ) میں کراچی سے حیدر آباد، میر پور خاص اور نواب شاہ ہوتے ہوئے گوٹھ پیر جھنڈا میں تشریف لائے۔ اور مدرسہ دار الرشاد میں قیام فرما ہوئے۔ اس موقع پر مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ نے اپنی مرتب کردہ کتاب ''قرآنی دستورِ انقلاب'' تفسیر سورۃ المزمل وسورۃ المدثر حضرت سندھیؒ کی خدمت میں پیش کی، اور تصحیح کروائی، چنانچہ مولانا دین محمد وفائی لکھتے ہیں:

''دار الرشاد میں حضرت امام سندھیؒ کے ایک شاگرد مولوی بشیر احمد صاحب بی۔اے لدھیانویؒ قیام پذیر تھے، حضرت امام سندھیؒ نے ان سے سورۃ مزمل اور سورۃ مدثر کی تفسیر سُنی، جو کہ وہ کتابی صورت میں کتاب ''(قرآنی دستور) الانقلاب'' کے نام سے مرتب کر کے لائے تھے، مولوی بشیر احمد نے حضرت امام سندھیؒ کی خدمت میں پیش کی اور اس کی تصحیح کروائی۔۔۔۔۔۔ دوسرے روز صبح کے وقت حضرت امام سندھیؒ نے قرآن شریف کا درس دیا، وہ آیات زیر درس آئیں، جن میں مکہ شریف کو قرآنی انقلاب کا مرکز بنانے کا ذکر تھا، قرآن شریف پر یہ آپ کی آخری تقریر تھی اور اتنی دلچسپ، فکر انگیز، عالمانہ اور بلند پایہ تقریر تھی کہ اس کا بیان نہیں ہوسکتا، وہ صرف ذوقِ سماعت سے تعلق رکھتی تھی، افسوس کہ ہم اسے یاد نہیں رکھ سکے، لیکن میں نے دیکھا تھا کہ مولوی بشیر احمد لدھیانویؒ اس کو قلمبند کر رہے تھے''۔(25)

''محمد قاسم ولی اللہ سوسائٹی'' کا قیام

15 مارچ 1944ء کو مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے لاہور میں محمد قاسم ولی اللہ سوسائٹی کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا تھا، اس کے سیکرٹری مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ مقرر ہوئے تھے، اس سوسائٹی کے اغراض و مقاصد خود حضرت سندھیؒ نے تحریر فرمائے تھے، اس کا مقصد حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے علوم و افکار کو پھیلانا تھا، حضرت سندھیؒ کے انتقال کے بعد مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ نے اس سوسائٹی کے اغراض و مقاصد کے مطابق بڑی تندہی سے کام کیا، اور اس سلسلہ میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتابوں اور تحریرات کو انتہائی محنت سے جمع کیا۔ اور اسی کے ساتھ مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی تحریرات اور مقالہ جات کو جمع کرنے کا کام بھی کیا، پاکستان بننے کے بعد مولانا لدھیانویؒ نے حضرت سندھیؒ کی قائم کردہ شاہ ولی اللہ سوسائٹی کو پوری ذمہ داری کے ساتھ قائم رکھا۔ اور اس کے زیر اہتمام مولانا لدھیانویؒ کے دروسِ قرآن اور ولی الٰہی فلسفہ کی تشریحات کا سلسلہ جاری رہا۔

مولانا لدھیانویؒ کو حضرت سندھیؒ کے ایک اہم مکتوب کی تلاش

مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ، حضرت سندھیؒ کی اہم تحریرات جمع کرنے کے بارہ میں فکر مند رہتے تھے، اسی سلسلہ میں انہوں نے ''سندھ پراونشل نیشنل کانگریس کمیٹی'' کے صدر ڈاکٹر چوئتھ رام کے نام 25 دسمبر 1945ء کو ایک خط لکھا کہ حضرت سندھیؒ نے 25 اکتوبر 1937ء کو ان کے نام مکہ مکرمہ سے جو تفصیلی خط لکھا تھا، اور جس میں ان کے سوالات کے جوابات مولانا سندھیؒ نے تحریر فرمائے تھے، وہ اصل خط ''شاہ ولی اللہ سوسائٹی'' لاہور کو عنایت کیا جائے، جس کا جواب ڈاکٹر چوئتھ رام نے اپنے ایک مکتوب محررہ 8 جنوری 1946ء کو دیا، مولانا بشیر احمد لدھیانوی کے نام صدر کانگریس کمیٹی سندھ کے انگریزی مکتوب کا اُردو ترجمہ درج ذیل ہے:

''سیکرٹری، محمد قاسم ولی اللہ سوسائٹی، بیت الحکمت، نیا بازار، لاہور

پیارے دوست!

25 دسمبر کا تحریر شدہ آپ کا خط موصول ہوا، خدشہ ہے کہ مجھے مرحوم مولانا سندھی کا 25 اکتوبر 1937ء کا تحریر کردہ اصل خط نہیں مل سکے گا، اس لئے کہ 1942ء کے ہنگاموں میں پولیس نے میرے سارے کاغذات قبضہ میں لے کر تلف کر دیئے تھے، میں اس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔

آپ کا مخلص صدر سندھ صوبائی کانگریس کمیٹی (ڈاکٹر چوئتھ رام پی سدھوانی)۔(26)

مولانا سندھیؒ کا تحریر کردہ یہ خط اگر چہ مولانا لدھیانویؒ کو دستیاب نہیں ہوسکا، لیکن بعد کی معلومات سے پتہ چلا ہے کہ یہ خط ''پاکستان نیشنل آرکائیوز''، کراچی میں محفوظ ہے۔ اور کئی صفحات پر مشتمل یہ مکتوب ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری نے ''مکاتیب مولانا عبیداللہ سندھیؒ'' میں شامل کر کے طبع کرادیا ہے۔ افسوس کہ اس مکتوبِ گرامی کے آخری چند صفحات مرتب کو بھی دستیاب نہ ہوسکے۔ اس مکتوبِ گرامی میں مولانا سندھیؒ نے اپنے سیاسی نظریہ اور علمی

اور فکری تعلق کی اساس شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفہ پر رکھی ہے۔ اور کمیونزم کے حوالہ سے درج ذیل تحریر لکھی ہے:

''(الف) ۔۔۔ میرا دعویٰ ہے کہ کمیونسٹ ریولیوشن کو میں نے کبھی اپنا سیاسی عقیدہ (کریڈ) نہیں بنایا، اور نہ آئندہ میرے جیسے لوگوں سے یہ ممکن ہے۔ گورنمنٹ (برطانیہ) اپنی معلومات پر احتیاط سے نظر ثانی کرے گی تو وہ خود اس کی شہادت دے گی۔(27)

(ب) میں نے ''کمیونسٹ تھرڈ انٹرنیشنل'' کی تھیوری اور پروگرام اور آرگنائزیشن کا ماسکو میں سات مہینے سرکاری مہمان رہ کر مطالعہ کیا ہے۔ باوجودیکہ میں کوئی یورپین زبان نہیں جانتا، اپنے رفیقوں کی مدد سے (جن میں نیشنلسٹ اور کمیونسٹ دونوں رفیق تھے) ہزارہا صفحات کا زبانی ترجمہ سنا، سینکڑوں مضمونوں کا انہوں نے اُردو میں ترجمہ لکھ دیا، تاکہ میں بار بار مطالعہ کرسکوں، میں نے پروفیسروں کے لیکچر انہی رفیقوں کی ترجمانی سے باقاعدہ سنے، میں نے اعلیٰ ذمہ داری کے افسروں سے مباحثے کئے، مگر میں نے کیمونسٹ نظریہ اپنی کریڈ (عقیدہ) نہیں بنایا۔ چونکہ ایک نادر موقع میسر آیا، میں نے اس سے علمی فائدہ حاصل کرنے میں قصور نہیں کیا۔ چنانچہ ہماری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے رجسٹرار مجھے یورپ میں ملے تو چند سوالات کے بعد اُن کی یہ رائے تھی، کہ میں اس نظریہ کو اُن کے پروفیسروں سے زیادہ جانتا ہوں۔

(ج) جو لوگ میری عملی سائیکالوجی سے واقف ہیں، وہ کبھی مان نہیں سکتے کہ میں کیمونسٹ کریڈ قبول کرسکتا ہوں، میں 16 سال کی عمر میں اسکول سے فارغ ہو کر مسلمان ہوا، چار سال محنت کر کے دارالعلوم دیوبند سے سندِ فضیلت حاصل کی، سب کچھ پڑھنے کے بعد میرا اطمینان نہیں ہوا، میرے اُستاذ مولانا محمود حسن دیوبندی شیخ الہندؒ نے مجھے شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفہ کی طرف توجہ دلائی اور سات سال کی مسلسل محنت کے بعد مجھے شاہ ولی اللہ کی اسلامی تشریح پر اطمینان ہوا، اس کے بعد میں ہر ایک مسلمان عالم کی ہر ایک بات ماننے کا قائل نہیں رہا۔ سندھ میں ایک مدرسہ بنا کر سات سال تک اپنی تحقیقات پڑھاتا رہا، اس کے بعد میں نے ساری توجہ قرآن حکیم کو شاہ ولی اللہؒ کی فلاسفی سے حل کرنے میں صرف کردی، آخر میں شیخ الہندؒ سے شاہ ولی اللہؒ کے فلسفہ کی سب سے اعلیٰ کتاب (حجۃ اللہ البالغہ) کا درس لیا''۔(28)

اس کے بعد خط کے آخر میں مولانا سندھیؒ ڈاکٹر چوئتھ رام کے سوالات کے جوابات میں لکھتے ہیں:

''(م) اب میں آپ کے سوالات کا جواب لکھتا ہوں:

(ا) میرا سیاسی عقیدہ یا کریڈ اسلام کی اس تفسیر وشرح میں ہے، جو شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفہ نے پیش کی ہے ۔۔۔۔۔اب تو ہم شاہ ولی اللہؒ کا فلسفہ یا قرآن پڑھانے کے سوا اور کسی سے کوئی تعلق نہیں رکھتے''۔(29)

مولانا لدھیانویؒ، حضرت سندھیؒ کے اس اہم مکتوبِ گرامی کو محفوظ کرنا چاہتے تھے، اور اس کی اشاعت کے لئے فکر مند تھے، لیکن انہیں اپنی زندگی میں یہ خط دستیاب نہ ہوسکا۔

شاہ ولی اللہ سوسائٹی کے تحت کام کرنے کی تجاویز

محمد قاسم ولی اللہ سوسائٹی کی تشکیل اور اس کے کام کے پھیلاؤ کے لئے مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ کے ساتھ ان کے اہم رُفقاء میں مولانا غازی خدا بخش اور مولانا مقبول عالم بھی تھے۔ یہ دونوں حضرات بھی مولانا سندھیؒ کے اہم شاگردوں میں سے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد اس سوسائٹی کے کاموں کو مزید آگے بڑھانے کے لئے ان رفقاء کے باہمی مشورے اور تجاویز کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ انہی تجاویز کے سلسلہ میں مولانا مقبول عالم کا وہ اہم خط ہے، جو انہوں نے کوئٹہ سے مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ کو لکھا تھا، یہ خط ''محمد قاسم ولی اللہ سوسائٹی'' کے لیٹر پیڈ پر لکھا گیا تھا، جو درج ذیل ہے:

''27/07/1952

رفیق محترم مولانا بشیر احمد صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط آیا، مژدۂ جانفزا لایا، دل کی کلی کھل گئی، اللہ تعالیٰ ہمارے راستے کھول دے اور ہمیں عمل کی توفیق دے۔ اگر کوئی خاص بات نہ بھی ہو، تو بھی خط کا آنا خالی از فائدہ نہیں۔ دل کو تسکین ہوجاتی ہے۔ میں اُس وقت سے ہی ٹیکے لگوا رہا ہوں اور کورس مکمل ہونے تک مجھے ٹھہرنا پڑے گا، دوسرے سوسائٹی کی تشکیل کے سلسلہ میں ہفتہ وار اجلاس کر کے انہیں تیار کر رہا ہوں، تاکہ وہ میرے بعد ایک خاص راہ پر چلتے رہیں۔ کچھ ابتدائی اُمور طے ہوگئے ہیں، اب انہیں لائحہ عمل دینا ہے۔ سکیم یہ ہے کہ مختلف شہروں میں خاندانی معاشرے اور شہری معاشرے پیدا کئے جائیں۔ اور انہیں خاص طور پر چلایا جائے۔ میں نے اس کے لئے دو تقریریں لکھی تھیں۔ وہ ٹریکٹ کی صورت میں چھپ کر ہر شہر میں کام دے سکتی ہیں۔ جب میں آؤں گا تو پیش کروں گا، اس کے علاوہ میری تنخواہ آنے والی ہے، چھ سات اگست تک پہنچ جائے گی، اندریں حالات میں 10 اگست کو بال بچوں سمیت روانہ ہوں گا، اور 11 اگست کو لاہور پہنچوں گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

مولانا خدا بخش صاحب کو فارغ اس لئے کروایا ہے کہ وہ پورا وقت دیں، کیوں کہ تجربہ یہی ہوا ہے کہ پارٹ ٹائم سے کام کی رفتار نہیں بڑھ سکتی۔ اگر وہ بھی پارٹ ٹائم دیں گے تو ان کا حال بھی ہمارے جیسا ہوجائے گا۔ اور اصل غرض پوری نہیں ہوگی۔ ان کا اصل کام یہ ہے کہ جماعت کی توسیع کریں، مختلف شہروں کے دورے کریں، اور سوسائٹیاں قائم کریں، فکر کو اعلیٰ سٹینڈرڈ پر لانے کے لئے سرمایہ جمع کریں،

خریدار پیدا کریں۔ کتابوں کی نکاسی ہو، ولی اللہ کالج اور محمود نگر کے لئے فنڈز جمع کریں۔ سندھ اور کراچی کے مالدار احباب کو ملا جائے۔ اور انہیں اس فنڈ میں حصہ لینے کے لئے آمادہ کیا جائے۔ تاکہ محمود نگر جلدی آباد کیا جائے۔ اگر فی الحال لاہور میں ایک سکول کھول لیا جائے، اس کے ساتھ ہوسٹل بھی ہو، اور دوستوں اور رشتہ داروں سے کہا جائے کہ وہ اپنے بچے ہمارے پاس بھیجیں۔ ان سے فیسیں لی جائیں۔ تو اس طرح مولانا خدا بخش صاحب کے لئے کام پیدا ہوسکتا ہے۔ اور انہیں معاوضہ دیا جاسکتا ہے، دیگر سوسائٹی کے لئے جو رقوم وہ فراہم کریں گے، ان میں سے بھی ان کو معاوضہ دیا جاسکتا ہے۔ اور ان کی معاش کا مسئلہ اس طرح حل ہوسکتا ہے۔ **(والعاملین علیہا)**

میری تجاویز حسب ذیل ہیں۔ میرے آنے تک مولانا خدا بخش صاحب انہیں شروع کردیں۔ میٹنگ کر کے ان پر غور کر لیا جائے۔

(۱) مولانا خدا بخش صاحب لاہور میں سوسائٹی کے لئے نئے ممبر اور ''فکرنو'' کے لئے خریدار پیدا کریں۔

(۲) فاروق گنج اور دیگر علاقوں میں سوشل سروس کے لئے سوسائٹیاں قائم کریں گے، جیسا کہ کام شروع کیا تھا۔

(۳) ''محمود نگر'' اور ''ولی اللہ کالج'' کے فنڈ جاری کردیں، اور سب سے پہلے اپنے احباب اس میں حصہ لیں۔

(۴) آپ ایک رسالہ لکھیں، جس میں محمود نگر کی ساری سکیم کی وضاحت کریں۔

(۵) ''ولی اللہ کالج'' کے لئے زمین کی ملکیت ''سوسائٹی'' کے حق میں قانونی طور پر فوراً حاصل کریں۔

(۶) ''محمود نگر''، ''محمد قاسم ولی اللہ سوسائٹی پاکستان'' کا ایک بہت بڑا بورڈ بنوایا جائے، جسے زمین کا قبضہ ملنے کے بعد وہاں نصب کیا جائے اور اس کے لئے وہاں سب احباب کا ایک اجتماع ہو، حضرت مولانا احمد علی صاحب کے ہاتھ سے اس کو نصب کروایا جائے۔ بورڈ کے نیچے پختہ دیوار ہو، جس کے اوپر ایک بورڈ نصب کیا جائے۔ یا دیوار بنا کر اسی میں سیمنٹ لگا کر ادھر ''محمود نگر'' کھود کر لکھا جائے۔ اور اس دیوار میں ایک کتبہ لگایا جائے۔ جس پر حضرت مولانا (لاہوری) کے ہاتھوں ''محمود نگر'' کی اینٹ رکھنے کا ذکر ہو۔ یہ دیوار اور کتبہ اور بورڈ ایک تاریخی یادگار رہوں گے۔

(۷) اس کے ساتھ ہی کالج اور ملحقہ عمارات کا نقشہ تیار کروایا جائے۔ اور اس کے حساب سے اس زمین میں بکثرت درخت لگوائے جائیں برادرم محمد ابراہیم صاحب، برادر جناب محمد اسماعیل صاحب فرماتے ہیں کہ وہ **100** پھل دار درختوں کے پودے اپنی طرف سے دیں گے۔ اور جب تک ہم عمارات نہیں بناتے وہاں کاشت کرائی جائے۔

www.rahimia.org

میں نے ''محمود نگر'' کا اپنے احباب سے ذکر کیا۔ سب نے اس میں حصہ لینے اور وہاں آباد ہونے کے لئے پسندیدگی کا اظہار کیا۔ ڈاکٹر عبداللطیف صاحب بہت خوش ہوئے۔ اور فرمایا کہ ہم اس میں عملی حصہ لیں گے۔ خاص طور پر تعلیمی ادارے کے لئے اور میڈیکل سروس کے لئے ڈاکٹر صاحب ہمیں بہت مفید کام دیں گے۔ محمود نگر کو بالکل نئی طرز پر بنانا ہوگا اور کسی ماہر انجینئر سے اس کا نقشہ تیار کروانا ہوگا۔ ''محمود نگر'' کا قیام ہمارے کام کی ترقی کے لئے بہت ضروری ہے۔ اس لئے اس طرف فوری توجہ کرنی چاہیے۔ اگر محمود نگر کے بجائے ''محمود آباد'' نام رکھا جائے تو کیا ہرج ہے؟۔

سوسائٹی کے اغراض و مقاصد میں جو ترمیمیں کرنی تھیں، ان کی منظوری لے لیں، اور سوسائٹی کا نام اگر صرف ''ولی اللہ سوسائٹی'' رکھا جائے تو یہ بہتر ہے۔ موجودہ نام لمبا ہے۔ اسی میں سے ''ولی اللہ پارٹی'' پیدا ہوگی۔ مسٹر کرامت اللہ کی طرف سے جلسے کی روئداد اور خط ملا تھا، انہیں بھی خط لکھ دیا ہے۔ مولانا خدا بخش صاحب، ماسٹر محمد یعقوب صاحب، مسٹر کرامت اللہ صاحب کو السلام علیکم۔

فقط والسلام محمد مقبول عالم، کوئٹہ (30)

اسی طرح حضرت سندھیؒ کے ایک اور شاگرد ظفر حسن ایبک نے بھی مولانا بشیر صاحب سے اس سلسلہ میں رابطہ رکھا۔ چونکہ وہ مستقل ترکی میں قیام پذیر ہوگئے تھے، اس لئے جب بھی پاکستان آتے تو مولانا لدھیانویؒ سے ضرور ملاقات کرتے۔ اسی سلسلہ میں اپنی پاکستان آمد کے بارہ میں مولانا لدھیانویؒ کو مطلع کرتے ہوئے ایک خط ظفر حسن ایبک نے لکھا تھا، جو درج ذیل ہے:

''مؤرخہ 24/03/1958

برادر عزیزم جناب شیخ بشیر احمد صاحب بی۔ اے لدھیانوی

میں ترکش کنجٹ کے ساتھ آج یہاں (لاہور) آیا ہوں اور فلیٹیز (Flatteis) کمرہ نمبر 26 میں ٹھہرا ہوں، دو روز یہاں مقیم رہوں گا اور دوپہر کو ایک بجے سے دو بجے تک ہوٹل میں ہوں گا، اگر آپ سے ملاقات ہوجائے تو بہت خوشی کا باعث ہوگا۔ فقط والسلام ظفر حسن ایبک (31)

بلاشبہ شاہ ولی اللہ سوسائٹی کے لئے حضرت سندھیؒ کے ان شاگردوں نے بڑی جدوجہد اور کوشش کی۔ خاص طور پر مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ اور مولانا مقبول عالمؒ اور مولانا غازی خدا بخشؒ نے بہت تندہی کے ساتھ کام کیا۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتابوں کی اشاعت میں دلچسپی

حضرت مولانا بشیر احمد صاحب کو شروع سے ہی امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتابوں کی اشاعت میں گہری دلچسپی رہی۔ چنانچہ آپ کی اسی دلچسپی کو دیکھتے ہوئے آپ کے ہمعصر علماء اور رہنمایان کی نظر شاہ ولی اللہ صاحب کی کتابوں

کی اشاعت کے سلسلے میں آپ کی طرف ہی اٹھتی رہی۔ حجۃ اللہ البالغہ کا ایک سلیس اردو ترجمہ امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ نے مولانا ابو العلا محمد اسماعیل گودھرویؒ سے کرایا تھا۔ اس کی اشاعت کے لیے مولانا آزادؒ نے مولانا اسماعیل گودھرویؒ کو یہ رائے دی تھی کہ وہ مولانا بشیر احمد لدھیانوی سے رابطہ کریں۔ چنانچہ ایک خط مؤرخہ 26 اکتوبر 1946ء کو مولانا گودھرویؒ نے مولانا لدھیانویؒ کے نام لکھا۔ اور مولانا آزاد کی رائے سے آگاہ کرتے ہوئے کتاب کی اشاعت کی طرف توجہ دلائی۔ وہ خط درج ذیل ہے:

''محترمی جناب مولانا بشیر احمد صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آج فجر کی نماز کے بعد میں نے حضرت مولانا ابو الکلام صاحب آزاد سے ملاقات کی اور قدیم تعلقات کی بنا پر ان کے سامنے میں نے اپنا ترجمہ ''حجۃ اللہ البالغہ از شاہ ولی اللہ'' ان کی خدمت میں پیش کیا۔ آدھ گھنٹہ تک مولانا صاحب نے مختلف مقامات سے دیکھا۔ مجھے رائے دی کہ آج ہی اس کے متعلق مولوی بشیر احمد صاحب کو خط لکھ دیجیے۔ اس (ترجمہ) کی سخت ضرورت ہے۔ اور میں بھی ان کو (اس کتاب) اشاعت کی رائے دوں گا۔ چنانچہ پہلی فرصت میں آپ کو یہ عریضہ روانہ کر رہا ہوں۔

حجۃ اللہ البالغہ کی پہلی جلد کا ترجمہ بالکل مکمل ہے۔ آغازِ کتاب میں چند صفحات دیباچہ کے ہیں۔ مجموعی طور پر اس جلد کے صفحات ۶۳۲ ہیں۔ دوسری جلد کا ترجمہ بھی تقریباً ایک تہائی ہو چکا ہے۔ انشاء اللہ العزیز جلد مکمل کر دوں گا۔۔۔ میں آج دہلی سے وطن روانہ ہو رہا ہوں، اس لیے جواب ذیل کے پتہ پر روانہ فرمائیں گے: ''مقام گودھرا، ضلع پنچ محل، گجرات (صوبہ بمبئی) ابو العلاء محمد اسماعیل'' امید ہے جواب جلد مرحمت فرمائیں گے۔ آپ کا مخلص: ابو العلاء محمد اسماعیل گودھروی کان اللہ لہٗ دفتر اخبار ''الامان'' دہلی،

مؤرخہ: 26/10/46۔(32)

چنانچہ مولانا لدھیانویؒ کی کوشش سے حجۃ اللہ البالغہ کا یہ ترجمہ ''شیخ غلام علی اینڈ سنز'' نے ''برہانِ الٰہی'' کے نام سے دو جلدوں میں لاہور سے شائع کیا تھا۔

ولی اللہی علوم کے پھیلاؤ کے لئے رسائل کا اجراء

پاکستان بننے کے بعد مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ نے حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فکر و فلسفہ کے پھیلاؤ کے لئے انتھک جدوجہد اور کوشش کی، مضامین لکھے، کتابیں شائع کیں، ہفتہ وار اُردو اور پندرہ روزہ انگریزی رسائل جاری کئے، طباعتی ادارے قائم کر کے شاہ صاحب کے علوم و افکار شائع کئے، چنانچہ لاہور سے ایک اُردو رسالہ ہفتہ وار ''نیا فکر'' کے نام سے شروع کیا، جس کا پہلا شمارہ ستمبر 1950ء میں طبع ہوا تھا۔ اس رسالہ میں فلسفہ ولی اللہی اور

اس کے علوم و معارف جدید سائنسی تحقیقات کے تناظر میں پیش کی جاتی رہیں۔''نیا فکر'' کے دوسرے شمارہ کے اداریہ میں مولانا لدھیانویؒ لکھتے ہیں:

''قلم کا مسافر جو امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی رہنمائی میں سفر کر رہا تھا، اب ایک عرصہ کے جبری سکون کے بعد ان کا پیام دنیا کو پہنچانے کے لئے پھر سرگرمِ سعی ہوتا ہے۔

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے اگست 1915ء میں اپنے بزرگ اُستاد حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسن دیوبندیؒ کے اشارے پر ہندوستان چھوڑا۔ وہ ایک خاص مقصد لے کر یہاں سے گئے تھے، اسی مقصد کی خاطر انہوں نے کابل میں سات سال گزارے اور وہاں سے نکلے تو اسی مقصد کی خاطر، جب وہاں سے کمال ٹرکی میں قیام کیا، اس وقت بھی وہی مقصد ان کے سامنے تھا، جس کی خاطر انہوں نے اپنی پیاری ماں، بیوی، بچے، رشتہ دار، برادری، ملک اور وطن چھوڑا تھا، آپ پچیس برس تک وطن سے باہر رہے اور اس مدت میں ان کی یہ حالت تھی کہ ؎

وہ حضر بے برگ و ساماں، وہ سفر بے سنگ و میل

اس بے بسی اور بے کسی کی زندگی میں بھی اُن کے سامنے وہی ایک مقصد تھا اور وہ یہ کہ کسی طرح برعظیم ہند میں قرآن کا وہ (معاشی) عدل و انصاف قائم ہو جائے، جس کی عملی شکل بہت دیر ہوئی، اسلامی خلافت کے پہلے پچاس سال میں دنیا دیکھ چکی ہے اور جس کا ایک نقش اس آخری زمانہ میں سیدنا امیر المؤمنین، سید احمد بریلویؒ کی رہنمائی میں اس برعظیم کی تاریخ نے دیکھا۔

حضرت مولاناؒ نے اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے اپنے مجاہد اُستاد کی رہنمائی میں جو کام کیا وہ تاریخ کا جز بن چکا ہے، اور دنیا اسے دیر تک نہ بھولے گی، لیکن ان کا سب سے بڑا ذاتی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اس عظیم الشان انقلابی پروگرام کے ٹوٹ جانے پر اُس کی شکست مان لی اور پھر برعظیم ہند میں اسلام کی خدمت کے لئے ایک نیا پروگرام بنا لیا، جس کی بنیاد اس برعظیم کے نامور فلسفی امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفہ پر رکھی۔

امام ولی اللہی دہلویؒ 1704ء میں سلطان اورنگزیب عالم گیرؒ کے عہد میں پیدا ہوئے، اس لحاظ سے وہ اشتراکی فکر کے رہنما کارل مارکس (KARL MARX، پیدائش: 1818ئ، وفات: 1867ئ) سے 114 سال پہلے پیدا ہوئے اور اس کی پیدائش سے پچپن سال اور اس کے اشتراکی منشور کی اشاعت (1848ئ) سے 74 سال پہلے انتقال فرما چکے تھے۔ انہوں نے 1743ء میں یعنی کارل منشور کی اشاعت سے ایک سو پانچ سال پہلے اپنے ترجمہ قرآن حکیم کا درس دینا شروع کیا، جو ان کے انقلابی پروگرام کا آغاز تھا۔ امام ولی اللہ دہلویؒ کے انقلابی اصلاحی پروگرام کے تین اصول تھے:

(۱) انہوں نے علمی اصلاح کے لئے قرآن حکیم کی حکمتِ عملی کو اُس کے معجزہ ہونے کا عنوان بنایا۔

(۲) انہوں نے عوام کی تمام اخلاقی اور عملی خرابیوں کا سبب اقتصادی عدمِ توازن کو قرار دیا۔

(۳) انہوں نے قرآن حکیم کی تعلیم کو انقلابی ثابت کیا۔ اور اس کے غلبہ کے لئے انقلاب ہی کو ذریعہ قرار دیا۔

امام ولی اللہ دہلویؒ کا فلسفہ ہی وہ چیز تھی، جس نے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو اشتراکی روس سے نہ صرف اپنا ایمان سلامت لے آنے میں مدد دی، بلکہ جس کی بدولت وہ روسی اہل فکر کو اسلام کی بنیادی باتوں کے قائل کر سکے۔

مولانا عبیداللہ سندھیؒ اپنی پچیس سالہ جلاوطنی کے بعد مارچ 1939ء میں کراچی کے ساحل پر اُترے۔ اُسوقت سے لے کر 21 اگست 1944 تک جب آپ اپنی 72 سالہ انقلابی زندگی گزار کر خداتعالیٰ کے پاس تشریف لے گئے، اسی فلسفہ اور اس کے بنیادی پر قائم کئے ہوئے نظریات کی اشاعت کرتے رہے۔ (اس سے پہلے بھی ان کا یہی مشغلہ تھا)۔

آپ نے اس کام کو آگے بڑھانے کے لئے جگہ جگہ مرکز قائم کئے، جن کا ایک سلسلہ ملک سندھ میں پھیلا ہوا ہے۔ اور ایسا ہی ایک مرکز لاہور میں بھی قائم کیا۔ انہوں نے ان مرکزوں کا نام ''بیت الحکمت'' تجویز کیا اور انہیں چلانے والی سوسائٹی کا نام ''محمد قاسم ولی اللہ سوسائٹی'' رکھا۔ یہ سوسائٹی امام ولی اللہ دہلویؒ کی تجدیدی تحریک کے تیسرے دور کی ترجمان ہے، جسے مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے شروع کیا، اس ابتدائی منزل میں اس سوسائٹی کا بہترین کام یہ ہے کہ امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفہ کی خصوصی تعلیم و تدریس کا بندوبست کرے۔ اُن کی اور اُن کے پیروؤں کی تصنیفات اور ان کے تراجم و تشریحات مختلف زبانوں میں شائع کرے اور دنیا کے مختلف فلاسفہ کے مسالکِ فکر (Schools of Thought) کے تقابلی مطالعہ (Comparate Study) کا انتظام کرے۔

اس سوسائٹی کے تعلیمی اداروں وغیرہ کے ذریعہ سے ایسے کارکن پیدا کرنا مقصود ہے جو عوام تک سوسائٹی کا پیغام پہنچائیں۔ اور پاکستان میں ایک نئی ہیئت اجتماعیہ (سوسائٹی) پیدا کریں۔

اللہ کے فضل و کرم سے مولانا مرحوم کا یہ پیغام ایک زندہ تحریک بن کر ملک میں پھیلتا جارہا ہے۔ یہاں تک کہ اب ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ ان سب مرکزوں کا آپس میں تعلق اور ان کے کام میں ارتباط پیدا کرنے کے لئے کوئی ایسا ذریعہ ہو، جس سے اس تحریک میں کام کرنے والے ایک دوسرے کے کام کو جانیں، اس کی ترقی کی رفتار کو جانچیں اور جن لوگوں تک اس کی آواز نہیں پہنچی، اُن تک اسے

www.rahimia.org

پہنچائیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ''محمد قاسم ولی اللہ سوسائٹی'' لاہور، جو اب تک امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفہ کی اشاعت کے سلسلہ میں چند کتابیں اور پمفلٹ اپنے مکتبہ بیت الحکمت (لاہور) سے شائع کر چکی ہے، اب اس قابل ہوگئی کہ اشاعت کے نئے میدان میں قدم رکھے۔ چنانچہ اب جریدہ ''نیا فکر'' جاری کیا گیا ہے تا کہ اس کے ذریعہ سے مختلف مرکزوں کے کام کی تنظیم ہو سکے۔۔ہم اس کام میں خدا تعالیٰ ہی سے مدد مانگتے ہیں''۔(33)

مولانا لدھیانویؒ کی تحریرات پر حضرت لاہوریؒ کا اعتماد

مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ کی جانب سے حضرت سندھیؒ کی قلمبند شدہ تحریرات پر اکابر علماء نے اپنے اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ اس کا مظہر وہ خط ہے جو 4 اگست 1951ء کو حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے آپ کو لکھا تھا، جس میں زمین کے سلسلہ میں حضرت سندھیؒ کی تحقیقات اور اس کی تفصیلات طلب فرمائی تھیں۔ حضرت لاہوریؒ لکھتے ہیں:

''محترم المقام مولوی بشیر احمد صاحب زید عزکم، احقر الانام احمد علی عفی عنہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، اعلیٰ حضرت مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات زمینوں کے متعلق جو ہوں اور آپ کے پاس کوئی تفصیل تحریر شدہ ہو تو آج سوا چار بجے شام لے کر میرے ہاں تشریف لائیں، میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ فقط 4 اگست 1951ء''۔(34)

ایسے موقع پر زمین سے متعلق یہ تحقیقات طلب کی گئیں، جب کہ حضرت لاہوریؒ پاکستان میں ''جمعیۃ علماء اسلام'' کو نئے خطوط پر منظم کرنے، اور اس کا منشور بنانے کے لئے سرگرمِ عمل تھے، یہی وہ دور ہے جب جمعیۃ علماء اسلام کی کایا کلپ ہو رہی تھی، چنانچہ جاگیرداری کے خاتمہ کے لئے ''جمعیۃ علمائے اسلام'' نے اپنے منشور میں اسی مؤقف کو سامنے رکھا، جو امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا تھا۔

پندرہ روزہ رسالہ (New Thought) کا اجراء

مولانا لدھیانویؒ نے انگریزی تعلیم یافتہ نوجوانوں میں امام ولی اللہ دہلویؒ کے افکار کے پھیلاؤ کے لئے انگریزی زبان میں ایک پندرہ روزہ رسالہ (New Thought) کے نام سے جاری کیا، اس کا پہلا شمارہ 15 جنوری 1958ء کو شائع ہوا تھا، (35) اور یہ رسالہ کئی سال تک بلاناغہ شائع ہوتا رہا، اس سے جدید تعلیم یافتہ نوجوان طبقہ تک ولی الٰہی علوم منتقل کرنے میں بڑی آسانی ہوئی۔ اس رسالہ میں حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتابوں، علوم و افکار اور حضرت سندھیؒ کی تشریحات کا انگریزی ترجمہ شائع کیا جاتا تھا اور جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں ان تعلیمات کا تقابلی مطالعہ پیش کیا جاتا رہا ہے۔

www.rahimia.org

مولانا لدھیانویؒ کی سفارشات پر مولانا عبید اللہ انورؒ کا اعتماد

5 ستمبر 1969ء کو مولانا لدھیانویؒ نے ''شاہ ولی اللہ سوسائٹی'' پاکستان کی جانب سے جمعیت علماء اسلام کے زُعماء اور ذمہ داران کے نام حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ کے توسط سے ایک خط لکھا، جس میں اُنہوں نے قرآن کے انقلابی پروگرام کی تفصیلات اور حضرت الامام ولی اللہ دہلویؒ کے سیاسی، معاشی، عمرانی افکار کی اساس پر پاکستان میں نظام کی تشکیل کے طریقہ کار پر مبنی سفارشات سولہ صفحات میں پیش کی تھیں، ان معروضات سے پہلے اُس خط کے مندرجات درج ذیل ہیں:

''بخدمتِ محترم زُعمائے جمعیۃ علماء اسلام پاکستان

بتوسط عالی جناب حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب مدظلہ العالی

امیر جمعیۃ علمائے اسلام، مغربی پاکستان، لاہور السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جمعیۃ علماء اسلام پاکستان نے اب تک جو کام کیا ہے، وہ بہت مفید ہے، ہم بزرگانِ جمعیۃ کی خدمت میں اس بنا پر ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں کہ جمعیۃ کے خلاف ملک کے ارتجاع پسند طبقے نے شور مچانا شروع کر دیا ہے۔ یہ بات جہاں جمعیۃ کے لئے باعثِ طمانیت ہوسکتی ہے، وہاں اُس کے لئے لمحۂ فکریہ بھی ہے۔ اس کے متضمنات قابل غور ہیں:

(۱) جمعیۃ کو اب پورے طور پر قرآنی انقلابیت (Revolutionism) اختیار کرنی ہوگی، کیوں کہ اب اُس کے لئے وہی منزل آگئی ہے، جو مکہ مکرمہ میں پہلی قرآنی انقلابی جماعت کو اُس وقت پیش آئی تھی، جب سورۂ کافرون نازل ہوئی تھی، جس میں قرآنی جماعت کی مستقل ہستی کے قیام کا دعویٰ کیا گیا تھا۔

(۲) جمعیۃ کو ملک بھر میں قرآنی انقلاب کی بنیادوں پر تعلیمِ نو کا انتظام کرنا ہوگا تاکہ وہ اپنے نظریات کی اشاعت کر سکے اور دیہات میں اپنا پیغام پہنچا سکے۔

قرآنی انقلاب کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ کرنے کے لئے بہرکیف جمعیۃ کو امام ولی اللہ دہلویؒ کے مجددانہ پروگرام کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑنا ہوگا تاکہ بقول حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ: ''جمعیۃ کی تحریک تاریخی مقام حاصل کرے''۔ اس طرح سے جمعیۃ کی تحریک امام ولی اللہ دہلویؒ کے واسطے سے فتاویٰ عالمگیری کے تدوینی دور سے مل جائے گی، جس کے لئے بیچ میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ واسطہ بنیں گے۔

امام ولی اللہ دہلویؒ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کا، علاوہ فکری مواد حاصل ہونے کے یہ فائدہ بھی ہوگا

کہ اُن کے فکر کے سائے میں جمعیۃ ارتجاع پسندوں کے حملوں سے محفوظ رہے گی، کیوں کہ کسی فکر کے لئے امام ولی اللہ محدث دہلویؒ کی سند کے بعد نہ زیادہ کاوش کی ضرورت ہوگی، نہ اس فکر کو رد کرنا مخالفین کے لئے آسان ہوگا، اگر ارتجاعی لوگ منہ کو آئیں، تو امام صاحبؒ کے نام سے اُن کا منہ عوام کے ذریعہ سے بند کرنا بہت آسان ہوگا۔

ایک اور مفید کام جمعیۃ نے یہ کیا ہے، کہ اُس نے محنت کش طبقوں (مزدوروں اور کسانوں) کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ یہ بھی نہایت مبارک اقدام ہے، لیکن اس کے متضمنات بھی نہایت قابل غور ہیں:

(۱) محنت کش طبقے، الحمدللہ! جمعیۃ کی وجہ سے سیدھے کمیونزم کی گود میں نہیں گئے۔

(۲) لیکن اگر یہ طبقے کامل فکر و عمل کے ذریعہ سے جمعیۃ کے ساتھ ملحق نہ ہو گئے تو اندیشہ ہے کہ:

(الف) یا تو یہ طبقے کسی اہم موڑ پر جمعیۃ کو آدھر میں چھوڑ کر الگ ہو جائیں گے،

(ب) یا وہ اپنی سیاست کو جمعیۃ پر غالب کرنے کی کوشش کریں گے۔

یہ دونوں صورتیں متقاضی ہیں کہ محنت کش طبقوں کو جمعیۃ سے ملحق رکھا جائے۔ اس کے لئے مزدوروں اور کسانوں کی نفسیات کا الگ الگ لحاظ رکھنا ہوگا اور ایسے کارکن تیار کرنے ہوں گے، جو اُن میں رہ کر اور ان میں سے ہو کر اُن کے افکار کو اسلام اور قرآنی انقلاب کی طرف لا سکیں۔

اس غرض کے لئے امام ولی اللہ دہلویؒ کے افکار اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی تشریحات کا مطالعہ کرنا اور کرانا لابد (لازمی) ہے، اس کے بغیر یہ عمل مشکل ہے۔ ان چند الفاظ کے ساتھ منسلک معروضات پیش خدمت ہیں۔ شیخ بشیر احمد بی۔اے، لودیانوی (جنرل سیکرٹری)

اس خط اور مضمون کے آخر میں مولانا عبیداللہ انور نے تصدیقی دستخط ثبت کرتے ہوئے لکھا:

''میں نے سارا مضمون سُن لیا ہے، میرے نزدیک یہ افکار صحیح ہیں''۔

احقر عبیداللہ انور، 5/9/69 (36)

اس خط کے بعد مولانا لدھیانویؒ نے معروضات پیش کرنے سے پہلے ایک تمہید لکھی ہے، جس میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فکر و فلسفہ کی تاریخی اہمیت بیان کی ہے۔ اور پھر 9 نکات پر مشتمل درج ذیل معروضات پیش کی ہیں:

''جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کی خدمت میں مندرجہ ذیل معروضات برائے غور و فکر پیش کی جاتی ہیں، جمعیۃ علماء اسلام پاکستان، اپنے لئے مندرجہ ذیل نظری اور عملی اصول اختیار کر لے:

(۱) جمعیۃ امام ولی اللہ دہلویؒ کو اس دورۂ حکمت کا قائد اور فکری رہنما تسلیم کرے۔

(۲) جمعیۃ امام ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت قرآنی کو پاکستان کے نظامِ فکر (Ideology) کی اساس قرار دے لے۔

(۳) جمعیۃ امام ولی اللہ دہلویؒ کے نظریۂ کائنات (Weltananschawng) کو اپنا نظریہ قرار دے لے۔

(۴) جمعیۃ امام ولی اللہ دہلویؒ کی پیروی میں قرآنی تعلیمات کو انقلابی تسلیم کرلے۔جن کی بنیاد انسانیت عامہ پر ہے۔

(۵) جمعیۃ امام ولی اللہ دہلویؒ کی تصریحات کے مطابق مندرجہ ذیل اخلاقِ اربعہ کو اساسی انسانی اخلاق تسلیم کرلے: (الف) طہارت (ب) اخبات (ج) سماحت (د)عدالت اور انہیں ملک میں رائج کرے۔

(۶) جمعیۃ امام ولی اللہ دہلویؒ کی تصریحات کے مطابق پاکستان میں سیاسی نظام شوراوی (جمہوری) اصولوں پر قائم کرنے کا ذمہ لے۔

(۷) جمعیۃ امام ولی اللہ دہلویؒ کی تصریحات کے مطابق پاکستان میں سرمایہ شکن نظامِ اقتصادیات قائم کرنے کی ذمہ داری قبول کرے۔

(۸) جمعیۃ پاکستان کو امامتِ اقوام کے لئے تیار کرنے کا ذمہ اُٹھائے۔

(۹) جمعیۃ کو جہاں امام ولی اللہ دہلویؒ کے کسی فکر سے اختلاف ہو، وہاں وہ علومِ ولی اللہی کے ماہرین اور علومِ جدیدہ کے ماہرین کے کمیشن کا فیصلہ قبول کرے''۔(37)

ان معروضات کے بعد مولانا لدھیانویؒ نے ان 9 نکات کی تشریح امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتابوں کے حوالہ جات کے ذریعہ سے کی ہے۔جس کی تفصیل کا یہ مضمون متحمل نہیں ہوسکتا۔البتہ مولانا لدھیانویؒ کی ان کوششوں کا نتیجہ ہے کہ 1970ء میں جب جمعیۃ نے الیکشن لڑنے کے لئے منشور جاری کیا تو وہ انہی سفارشات اور معروضات کی صدائے بازگشت تھی۔

حجۃ اللہ البالغہ کی اشاعت کا اہتمام

علومِ ولی اللہی کے پھیلاؤ اور شاہ صاحب کی کتابوں کی اشاعت کے سلسلہ میں مولانا لدھیانویؒ ہر وقت فکرمند رہتے تھے، اس سلسلہ میں انہیں جہاں بھی موقع ملتا، اپنی پوری جدوجہد اور کوشش اس طرف متوجہ کرتے، اسی سلسلہ میں آپ کی خط وکتابت ڈاکٹر رشید احمد جالندھری مشیر تعلیم ومطبوعات محکمۂ اوقاف پنجاب سے بھی ہوئی، تاکہ حجۃ اللہ البالغہ کی اشاعت کا اہتمام کیا جاسکے اور اسی سلسلہ میں ڈاکٹر جالندھری نے آپ کو ایک خط تحریر کیا:

عنوان: ایڈیٹنگ وطباعت ''حجۃ اللہ البالغہ''

مکرمی جناب شیخ بشیر احمد لدھیانوی صاحب، مکتبہ ملیہ، اردو بازار، لاہور سلام مسنون!

حجۃ اللہ البالغہ کی ایڈیٹنگ اور ترجمہ کے سلسلے میں مؤرخہ: 2 جنوری 1971ء کو آپ کو ایک خط ارسال کیا گیا تھا۔۔۔ہم آپ کے جواب کے شدت سے منتظر ہیں، امید ہے کہ فوری جواب عنایت فرمائیں گے، تاکہ کام آگے بڑھایا جاسکے۔

نوٹ: اگر جناب والا کسی دن یہاں تشریف لائیں تو کرم ہوگا۔ طباعت کے سلسلے میں مزید گفتگو ضروری ہے۔ رشید احمد (جالندھری) مشیر تعلیم ومطبوعات محکمۂ اوقاف پنجاب''۔(38)

حجۃ اللہ البالغہ کی تعلیم وتدریس

مولانا لدھیانویؒ اپنی آخری عمر تک بڑے اہتمام کے ساتھ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتابوں کا درس دیا کرتے تھے، خاص طور پر شاہ ولی اللہ سوسائٹی کے زیر اہتمام ''جامعہ عبیدیہ'' میں آپ علماء اور گریجویٹس حضرات کے سامنے جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں حجۃ اللہ البالغہ کا درس بڑے ذوق وشوق سے دیتے تھے، چنانچہ اس سلسلہ میں ایک مضمون نگار اپنے تاثرات کچھ یوں لکھتے ہیں:

''یہ وسط دسمبر 1972ء کی بات ہے کہ اس وقت ان (مولانا لدھیانویؒ) کی صحت کافی کمزور تھی، عمر بھی 75 سال تھی، اور یہ دیکھ کر حیرانی ہوتی تھی کہ معاشی ناآسودگی اور ضعیفی کے باوجود وہ اب بھی ان موضوعات کا تحقیقی مطالعہ کس ذوق وشوق سے کرتے ہیں، انہوں نے جامعہ عبیدیہ کے آخری شاگردوں کو حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی معرکۃ الآراء کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' کا درس دیتے وقت بھی الٰہیات کے موضوع پر بعض دقیق نکات بیان کئے''۔(39)

یہی مضمون نگار مولانا لدھیانویؒ اور ان کی قلمبند کی ہوئی تحریرات کے بارہ میں لکھتے ہیں:

''شیخ بشیر احمد لدھیانویؒ ایک نادر روزگار شخصیت تھے، شیخ صاحب نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فلسفہ کی تفہیم اور تدوین واشاعت کے لئے کس قدر وقت دیا، اور کس قدر کام کیا، اس کا علم بہت کم اصحاب کو ہے، انہوں نے فلسفہ ولی اللہی حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی وطن واپسی کے بعد ان سے پڑھا تھا، اور بطورِ سیکرٹری ان کے افکار وخیالات قلمبند بھی کرتے رہے تھے''۔(40)

جمعیۃ طلبہ اسلام کے نوجوانوں سے آپ کا تعلق

1967ء میں حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری نے نوجوان طلباء میں دینی شعور بیدار کرنے اور حریت پسند علماء کی تاریخی جدوجہد اور امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فکر وعمل سے آگاہی کے لئے ''جمعیۃ طلباء اسلام'' سرگودھا میں قائم کی۔ 1969ء میں جب پورے پاکستان میں اس کا فروغ ہوا، تو اس کا مرکزی دفتر 56 میکلوڈ روڈ، لاہور میں قائم کیا گیا۔ جہاں نوجوان طلباء کی تعلیم وتربیت اور نظریاتی رہنمائی کے لئے علمائے کرام اور دانشور حضرات

کے لیکچر اور پروگرام منعقد ہوتے رہتے تھے۔جس میں وقتاً فوقتاً مختلف رہنماء اور ولی اللہی علوم کے ماہرین نوجوان طلباء کی رہنمائی فرماتے تھے۔ دیگر رہنماؤں کے علاوہ مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ بھی نوجوان طلباء کے سامنے امام ولی اللہ دہلویؒ اور امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے علوم و افکار پیش کرتے رہتے تھے۔ خاص طور پر قرآنی سورتوں کے حوالہ سے امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی بیان کردہ انقلابی تشریحات پر لیکچر دیا کرتے تھے۔ اور وہ معروضات جو مولانا لدھیانویؒ نے مولانا عبیداللہ انورؒ کی وساطت سے جمعیۃ علماء اسلام کے اراکین کو پیش کی تھیں۔ اس کے مطابق امام ولی اللہ دہلویؒ کے افکار کا مطالعہ کرایا کرتے تھے۔(41)

علومِ ولی اللہی پر رہنمائی کے لئے غیر ملکی یونیورسٹی کا آپ سے رابطہ

یونیورسٹی آف مانچسٹر نے ''امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے دینی اور سیاسی افکار'' کے عنوان سے پی۔ایچ۔ڈی کے ایک مقالہ پر کام کرنے کی منظوری دی اور اس کے لئے محمد القیسی کا پیش کردہ خاکہ قبول کیا۔ مذکورہ طالب علم نے اپنے مقالہ کے لئے مولانا لدھیانویؒ سے رابطہ کرنے کے لئے ایک خط لکھا، لیکن بدقسمتی سے مولانا لدھیانویؒ کا انتقال دو سال پہلے ہو چکا تھا۔ یہ خط 30 مارچ 1976ء کو لکھا گیا۔(42) اس سے قریباً سوا دو سال پہلے مولانا کا وصال ہو چکا تھا۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ولی اللہی فلاسفی پر غیر ملکی یونیورسٹیوں میں آپ کی تحقیقات پر اعتماد کا اظہار کیا جاتا تھا۔

مولانا لدھیانویؒ کی مرتبہ تالیفات وتصنیفات

(1) قرآنی دستورِ انقلاب یعنی سورۂ مزمل اور سورۂ مدثر کی حکیمانہ تفسیر۔

اس کتاب کے بارہ میں خود مولانا لدھیانویؒ لکھتے ہیں کہ:

''حجۃ الاسلام، امام الائمہ، امام ولی اللہ محدث دہلویؒ اس دور کو جو اِن کی مجددیت سے شروع ہوتا ہے، دورۂ حکمۃ قرار دیتے ہیں۔ اس زمانے میں حکمت ولی اللہی کے بہترین شارح حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ تھے۔ یہ اردو تفسیر درحقیقت حضرت مولانا ہی کے افکار کی مُظہر ہے۔ اور ان کی نگرانی میں مرتب ہوئی ہے، جس کی شہادت خود حضرت مولانا کے بیان میں ملتی ہے۔ جو اس تفسیر کے آغاز میں درج ہے۔ اس تفسیر میں دکھایا گیا ہے کہ قرآن کی تعلیم انقلابی ہے۔ اور اس کی انقلاب انگیزی نے جس طرح قیصر اور کسریٰ کے ظالمانہ سرمایہ پرستانہ نظاموں کو برباد کیا، اُسی طرح یہ ہر زمانے میں وہی اثر دکھا سکتی ہے۔ اسی سلسلے میں قرآنی انقلاب کے وہ اصول پیش کیے گئے ہیں، جو ان سورتوں میں آئے ہیں۔ مسلمانوں پر اس وقت جو جمود اور ارتجاع (ری ایکشن) طاری ہے اس کا ایک ہی علاج ہے اور وہ یہ کہ مسلمان اپنی ذہنیت انقلابی بنائیں جس کے لیے اس انقلابی سلسلہ تفسیر کا مطالعہ از بس ضروری ہے۔ یہ

www.rahimia.org

بات آپ کو کسی اور تفسیر میں کم ملے گی۔ حجم دو سو صفحات سے زیادہ ہے''۔

(2) جنگ انقلاب از مولانا عبید اللہ سندھیؒ

اس کتاب کے بارہ میں خود مولانا لدھیانویؒ لکھتے ہیں کہ:

''سورۂ قتال (محمدؐ) کی حکیمانہ انقلابی تفسیر۔ اس میں جنگ پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ قرآنی انقلاب کی تشریح کی گئی ہے۔ اور جنگی قیدیوں کے رکھنے کے اصول بیان کیے گئے ہیں۔ نیز مخالفین انقلاب کو تنبیہ کی گئی ہے۔ اور انقلاب یا جہاد کے لیے مال خرچ کرنے کی ضرورت اور منافقوں کی حالت واضح کی گئی ہے''۔

(3) عنوانِ انقلاب۔ از مولانا عبید اللہ سندھیؒ، سورۂ فتح کی حکیمانہ انقلابی تفسیر۔

مولانا لدھیانویؒ نے اس کتاب کا تعارف کچھ یوں کرایا ہے:

''اس میں انقلاب کی قومی اور بین الاقوامی منزلوں کو واضح کیا گیا ہے۔ اور دکھایا گیا ہے کہ جماعتی غلطیوں کی ذمہ داری لیڈر پر کس طرح آتی ہے۔ منافقین اور مشرکین کا نفسیاتی تجزیہ کیا گیا ہے۔ حجازی انقلابیوں کی فضیلت اور بیعت رضوان کی حقیقت کھول کر بتائی گئی ہے''۔

(4) قرآنی اصولِ انقلاب، از مولانا عبید اللہ سندھیؒ، سورۂ عصر کی حکیمانہ انقلابی تفسیر۔

یہ کتاب قرآن حکیم کے اصولِ انقلاب کی وضاحت کرتی ہے، کامیاب معاشروں کے چار اصولوں کی بڑی خوبصورت تشریح، اس کتاب میں کی گئی ہے۔

(5) قرآنی شعورِ انقلاب، تفسیری افادات از امام عبید اللہ سندھیؒ۔

یہ کتاب درج بالا چار کتابوں سمیت ۱۷ سورتوں کے تفسیری افادات کا مجموعہ ہے۔ ان تمام سورتوں کی ترتیب و تدوین مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ نے کی ہے۔ مولانا محمد عباس شاد صاحب نے 1997ء میں ان تفسیری افادات کو قرآنی شعورِ انقلاب کے نام سے مکی دارالکتب، لاہور سے شائع کیا تھا، جسے اب ''رحیمیہ مطبوعات'' کی جانب سے تحقیق و ترتیب جدید کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔

(6) اردو شرح حجۃ اللہ البالغہ، از مولانا عبید اللہ سندھیؒ۔

اس کتاب کے بارہ میں مولانا لدھیانویؒ لکھتے ہیں کہ:

''حجۃ اللہ البالغہ امام ولی اللہ دہلویؒ کی بنیای تصنیفات میں سے ہے۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے اس کے کچھ حصے کو اردو کا جامہ پہنا دیا ہے۔ جس سے اس کتاب کے سمجھنے اور عام طور پر امام ولی اللہ کے فلسفے کے سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے''۔

(7) عبیدیہ اردو ترجمہ محمودیہ، از مولانا عبید اللہ سندھیؒ۔

www.rahimia.org

اس کتاب کے بارہ میں مولانا لدھیانویؒ لکھتے ہیں کہ:

''اس مختصر کتابچے میں مولانا (سندھی) مرحوم نے امام ولی اللہ دہلویؒ کی کتابوں کے وہ اقتباسات جمع کردیئے ہیں جن سے ان کی امامت انقلاب کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی امام صاحب کے متبعین کے خیالات بھی درج کردیئے ہیں''۔

مولانا سندھیؒ کی اس عربی کتاب کا اُردو ترجمہ مولانا لدھیانویؒ نے کیا ہے۔اور بیت الحکمت، لاہور کی طرف سے شائع کیا ہے۔

(8) امام ولی اللہ دہلویؒ اور ان کا فلسفہ عمرانیات ومعاشیات، ازمولانا شیخ بشیر احمد لدھیانویؒ

اس کتاب کے بارہ میں مولانا لدھیانویؒ لکھتے ہیں کہ:

''اس میں امام ولی اللہ دہلویؒ کے مختصر حالاتِ زندگی بیان کیے گئے ہیں۔اور ان کے فلسفہ معاشیات (اکنامکس) اور عمرانیات (سوشیالوجی) کی مفصل تشریح کی گئی ہے۔اور بتایا گیا ہے کہ کس طرح قومیں اُبھرتی اور گرتی ہیں، اس عمل میں معاشیات کا کہاں تک دخل ہے، اجتماعی اخلاق سے کیا مراد ہے۔کارل مارکس کی پیدائش سے ایک صدی پہلے کے اس فلسفی کے بیانات اکیسویں صدی کے کسی فلسفی کے خیالات معلوم ہوتے ہیں''۔

یہ تمام کتابیں مولانا لدھیانویؒ نے اپنے ''ادارہ حکمت اسلامیہ'' 223/N سمن آباد، لاہور سے شائع کی تھیں۔

مولانا لدھیانویؒ کا اسلوبِ تحریر

مولانا لدھیانویؒ کا اسلوبِ تحریر بہت صاف، عمدہ اور آسان فہم رہا ہے، چونکہ آپ کی عمر کا زیادہ عرصہ استاذ کی حیثیت میں تعلیم وتدریس کے میدان میں گزرا تھا، اس لئے آپ کی تحریروں میں ایک ایسے استاد کا رنگ غالب ہے، جو اپنی بات اس وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ ایک کم استعداد طالب علم بھی اسے بآسانی سمجھ سکتا ہے، ان کا اندازِ تحریر ان کے گہرے علم وبصیرت کا آئینہ دار ہونے کے ساتھ بے حد سلجھا ہوا، اور صاف ستھرا ہے۔ وہ اپنی بات کچھ اس طرح سمجھاتے ہیں کہ آپ کی تحریر پڑھنے والا آدمی پیش کردہ بنیادی پہلوؤں کو بڑی خوبی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے۔

وفات اور تدفین

تقریباً 35 سال تک مسلسل امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے علوم وافکار کی روشنی میں حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فکر وفلسفہ کے پڑھنے پڑھانے، اس کی نشر واشاعت اور فروغ کے لئے جدوجہد کرنے کے بعد مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ 17 جنوری 1974ء بروز جمعرات کو اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ 223/N سمن آباد،

www.rahimia.org

لاہور میں جہاں آپ 1952ء سے مقیم تھے، آپ کا انتقال ہوا اور اسی روز قبرستان میانی صاحب میں غازی علم الدین شہیدؒ کے قریب سپُردِ خاک ہوئے ؎ آسمان آپ کی لحد پر شبنم افشانی کرے

حوالہ جات وحواشی

(1) کلماتِ طیبات از حضرت سندھیؒ، قرآنی دستورِ انقلاب، مطبوعہ 1944ء، لاہور۔

(2) ایضاً

(3) ڈائری قلمی مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ ص ٦٦۔

(4) ایضاً

(5) روایت صاحبزادگان مولانا لدھیانویؒ۔

(6) ''تحقیقات'' اصل انجیل قلمی نسخہ ص ۲ مؤلفہ مولوی اللہ دین۔

(7) خط مولوی اللہ دین: مطبوعہ مطبع قاسمی دہلی۔

(8) تحریر بشیر احمد بن اللہ دین طالب علم فورتھ ہائی کلاس گورنمنٹ ہائی سکول لدھیانہ (محلہ ڈھولی وال) مؤرخہ 2 اکتوبر 1915 (۱۱ بجے صبح) قلمی ڈائری: مولانا بشیر احمد ص ۷۵

(9) ''خطاطانِ قرآن'': تحریر کردہ سید انور حسین نفیس رقم مطبوعہ سیارہ ڈائجسٹ کا ''قرآن نمبر۔

(10) قلمی ڈائری از مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ، مؤرخہ 14/04/1916، صفحہ نمبر 109۔

(11) عکس سند گورنمنٹ ہائی سکول لدھیانہ، ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ آف پنجاب۔

(12) عکس سند اسلامیہ کالج لدھیانہ، ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ آف پنجاب۔

(13) عکس سند پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

(14) قلمی ڈائری: مولانا بشیر احمد ص ۷۵

(15) عکس سند ''جونیئر اینگلو ورنیکلر ٹیچر''، ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ آف پنجاب۔

(16) کلماتِ طیبات: از مولانا عبید اللہ سندھیؒ، قرآنی دستورِ انقلاب، طبع ادارۃ الحکمۃ، لاہور

(17) تفسیر سورۃ المجادلہ، کے شروع میں عرضِ مرتب،

(18) کلماتِ طیبات: از مولانا عبید اللہ سندھیؒ، قرآنی دستورِ انقلاب، طبع ادارۃ الحکمۃ، لاہور

(19) روایت: صاحبزادہ رانا بلال احمد

(20) کلماتِ طیبات: از مولانا عبید اللہ سندھیؒ، قرآنی دستورِ انقلاب، طبع ادارۃ الحکمۃ، لاہور۔

www.rahimia.org

(21) ایضاً۔

(22) ایضاً۔

(23) امالی: افادات از مولانا عبید اللہ سندھیؒ آخری صفحہ

(24) ''شاہ ولی اللہ سے امام عبید اللہ سندھیؒ تک''، از ڈاکٹر ظہیر الحق دین پوریؒ، ص ۱۲۵۔

(25) مولانا عبید اللہ سندھیؒ افکار و خدمات از مولانا دین محمد وفائی، ص ۶۴ و ۶۵

(26) نقل خط ڈاکٹر چوتھ رام بنام سیکرٹری محمد قاسم ولی اللہ سوسائٹی، لاہور، بحروفِ انگریزی۔

(27) مولانا سندھیؒ کے اس جملہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ڈاکٹر چوتھ رام نے مولانا سندھیؒ کے نام اپنے خط میں گورنمنٹ (برطانیہ) کے اس تاثر کا تذکرہ کیا تھا کہ ''مولانا سندھیؒ کیمونسٹ عقائد رکھتے ہیں''، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا سندھیؒ کے خلاف کیمونسٹ ہونے کا پروپیگنڈہ سب سے پہلے حکومتِ برطانیہ نے کیا۔ بعد میں جو لوگ مولانا سندھیؒ پر اشتراکی ہونے کا الزام لگاتے ہیں، وہ حکومتِ برطانیہ کے جھوٹے پراپیگنڈہ کی صدائے بازگشت ہے۔ اس خط میں مولانا سندھیؒ نے کیمونزم کے حوالہ سے اپنا مؤقف بڑی وضاحت کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔ اس کے باوجود مولانا سندھیؒ پر جھوٹے الزامات لگانا، بددیانتی کی انتہا ہے۔ (آزاد)

(28) مکاتیب مولانا عبید اللہ سندھیؒ، مرتبہ ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوریؒ، ص 36، مطبوعہ محمود اکیڈمی لاہور۔

(29) مکاتیب مولانا عبید اللہ سندھیؒ، مرتبہ ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوریؒ، ص 42، مطبوعہ محمود اکیڈمی لاہور۔

(30) نقل خط مولانا مقبول عالم، بنام مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ۔

(31) نقل خط ظفر حسن ایبک، بنام مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ۔

(32) نقل خط مولانا اسماعیل گودھرویؒ بنام مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ۔

(33) ہفتہ وار ''نیا فکر''، لاہور، شمارہ نمبر 2، جلد اول، یکم اگست 1950ئ۔

(34) نقل خط حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ بنام مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ۔

35. The Fortnightly New Thought, Organ of the Waliullah Society of Pakistan. Editor: Bashir Ahmad Qureshi. Asstt. Editor Bashir Ahmad B.A

(36) معروضات بخدمت محترم زُعماء جمعیت علمائے اسلام پاکستان، ص ۵۔

(37) معروضات بخدمت محترم زُعماء جمعیت علمائے اسلام پاکستان، ص ۱۰۔

(38) نقل خط ڈاکٹر رشید احمد جالندھری بنام مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ۔

(39) مضمون ''عہد حاضر کا ایک مردِ درویش''، از اسلم کشمیری، مطبوعہ روزنامہ امروز، لاہور 8 مارچ 1975ئ۔

(40) ایضاً۔

(41) روایت صدر جمعیۃ طلباء اسلام محمد اسلوب قریشی۔

www.rahimia.org

www.rahimia.org